۷۸۶

اول یہ چار صفحے ملاحظہ ہوں

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

اس سے پہلے ہم نے اشتہار میں بھی یہ لکھدیا ہے کہ یہ رسالہ آٹھ علوم (تفسیر، حدیث، عقاید، فقہ، تصوف، تاریخ، طب، تذکرہ) پر محتوی شریعت و طریقت کا جامع ہے

اس سے ہمارا مقصد فخر اور تفاخر نہیں جب آپ اپنے صفحوں کے صفحے پڑھ کر بھی دیکھ لینگے تو حق الیقین کی ضرورت باقی ہی رہ جائیگی تو یہی طریقہ اچھا ہے جو خود آپکا دل فیصلہ کرے اتنا کہہ دینا کہ رسالہ کا یہ مضمون ہمارے دین و ایمان اور اردو زبان کیلئے باعث افتخار ہو اور ایسے جامع اسلامی ماہواری رسالہ کے لاجواب کارنامہ ہیں انصاف ہے۔

اب ہم اس رسالے سے آپکو اچھی طرح واقف ہونیکے لئے تھوڑی سی ضروری اور مفید باتیں بطور مقدمہ لکھ دیتے ہیں۔

(۱) تفسیر شریف سیکڑوں مستند کتابوں سے جیسے فتح الغیب، درمنثور، ابن جریر، ابن کثیر، جمل، عرائس البیان، روح البیان، جواہر التفسیر، عزیزی کا مجموعہ ہو۔ مقدمہ، تعوذ، تسمیہ، فاتحہ، بقرہ ایک سے آٹھ آیۃ کی تفسیر کی ایک ایک مجلدات میں تحریر ہے اسوقت صرف لفظ ذٰلک کی تفسیر بلا اختصار چھبیس صفحوں میں ہے

دار و مدار کنز، شرح وقایہ، ہدایہ اور ان کی شرحوں، رد المحتار شرح در المختار، فتاوی عالمگیری

قاضی خاں، بزازیہ وغیرہ پر ہے۔ ہمارا فتاوی ایسے ہی معتبر فتاووں کا جامع ہے اور فقہ پر یہ کہ حتی الامکان

ظاہر فقہ کو باطن فقہ یعنی تصوف سے ملایا ہے جس سے وضو کے ایک فرض کا نمونہ (۱) صفحہ

(۵) پر ملاحظہ ہو (۲) شرح فصوص الحکم۔ حضرت شیخ اکبر سلطان الموحدین محی الدین

ابن عربی رضہ کی چار سو سے زیادہ تصنیفات ہیں ان میں اشہر و اکبر فتوحات کی

اور متوسط فصوص الحکم اور اصغر کبریت احمر ہے بالخصوص فصوص ایسی کتاب ہے

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم رؤیا میں شیخ اکبر کو عطا فرمائی اور شیخ نے وہ بالکل

نسخۂ عطائی بعینہٖ و عن بصورت تحریر ہم تک پہنچائی ہے۔ امام قاشانی۔ امام قیصری

شیخ بالی۔ ملا جامی جیسے بڑے بڑے تصوف کے اماموں نے اس کی شرحیں لکھی ہیں

ہماری شرح ان سب کا خلاصہ ہے۔

حضرت شیخ اکبر جدنا و مرشدنا قطب الاقطاب غوث الاعظم شیخ الکل کے چھوٹے

کراماتی فرزند علی عربی رح کے خاص ملفوظ ہیں (ب) شرح مثنوی شریف (۳) اس مثنوی کی نسبت

اور مصنف (حضرت جلال الدین مولانا رومی رح) کی شان میں مولانا جامی قدس سرہ السامی

جیسے بزرگ فرماتے ہیں: مثنوی مولوی معنوی ۔ ہست قرآں در زبان پہلوی

من چہ گویم وصف آں عالی جناب ۔ نیست پیغمبر ولے دارد کتاب ۔ اس مثنوی کی

شرح بڑے بڑے صوفیوں نے لکھی ہے جیسے مکاشفات رضوی۔ لطائف معنوی بحر العلوم
وغیرہ وغیرہ ہماری شرح ان سب شرحوں کا خلاصہ بلکہ اور معتبر کتابوں سے اضافہ ہے
اسوقت تک مثنوی کے کئی ایک مضامین سے نہایت مختصر مضمون (۴) صفحوں میں ہے

(۶) "تاریخ" مورخین کے نزدیک مفسر محدث محقق مورخ بے نظیر شیخ ابن اثیر کی تاریخ
"تاریخ کامل" معتبر ہے ہم نے اسپر بھی کئی ایک کتب تواریخ کا اضافہ کیا ہے جسکا نمونہ (۴) صفحوں میں ہے

(۷) "طب قانون" یہ وہ کتاب ہے جسکے مصنف بوعلی سینا کو متاخرین اطباء یونانی شیخ اور رئیس
مانتے ہیں انکے مدرسوں میں اسی کتاب پر تحصیل فن ختم ہوتی ہے ہماری تصنیف سے اسکی شرح شروع
ہوئی ہے جسکا نمونہ (۶) صفحوں میں ہے

(۸) "تذکرہ" ہم نے اس لفظ کو عام معنوں ہی میں نہیں لیا ہے بلکہ وہ معنی رکھا ہے اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ
فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا کی دلیل بنا کر پیشوایان و بزرگان قوم ارشادات و ہدایات فقراء
اور علماء و حکمائے کائنات اور شعراء کی نفیس نظموں سے کام لیا ہے جسکا نمونہ (۸) صفحوں میں ہے ۔

تین ضروری باتیں (۱) مذکورہ مضامین ہر علم کی کسی ایک مختصر بحث کو لیکر نمونہ کی صورت میں دکھائے گئے ہیں
اشاعت میں انکا سلسلہ بدل دیا جائیگا (۲) چھپائی کا فائدہ مد نظر تقطیع جواب ہی پر رکھا جائیگا اسلئے
کہ جیسا چاہیں ہر مضمون کو سلسلہ وار علیحدہ کر دیں یا ایک ایک فن کی مستقل کتاب بنجائے (۳) پہلے ہم اللہ سے
توفیق اور دعا مانگتے ہیں پھر ملک و قوم سے صرف حوصلہ افزائی اسقدر چاہتے ہیں کہ جلد تر اپنی درخواستیں معہ زر روانہ
کریں تاکہ ہم پورا کام شروع کریں

شاہ ابو الخیر احمد علی صوفی الصفی القادری

الۤمۤ ذٰلک اس میں شک نہیں کہ حاضر اور دکھائی دینے والی
چیز کی طرف اشارہ ہے۔ اور ذلک غیر حاضر غائب اور نہ دکھائی
دینے والی چیز کی طرف اشارہ ہے۔
جواب یہ ہے یہ جائز ہے۔ کیونکہ جو چیز گزرے اور اس کا گزرنا قریب
قریب ہو تو اگرچہ وہ معنًا غیر حاضر ہو مگر مخاطب کے ہاں حاضر کی طرح ہے
اور یہ ایسا ہے جیسا ایک آدمی دوسرے آدمی سے بات کرتا ہے تو
کہنے والا کہتا ہے ان ذلک والله لکما قلت ، وھذا والله کما قلت
یعنی بے شک وہ (اللہ کی قسم یہ ایسا ہی ہے جیسا آپ نے کہا) اور یہ
کہتا ہے ایسا ہی ہے جیسا تو نے کہا اور خدا کی قسم وہ ایسا ہی ہے جیسا
تو نے ذکر کیا)۔
کبھی تو معنی غائب خبر دینا ہے کیونکہ وہ گزر گیا اور کبھی کلام
ختم ہونے کے جواب ساتھ وقت رہتا ہے اس باعث معنی حاضر خبر دینا
گویا وہ گزرا ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان ذلک الکتاب میں
ذلک ایسا ہی ہے کیونکہ اللہ جل ذکرہ نے جب کہ الۤمۤ کو ذلک سے
مقدم کر دیا تو اپنے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ یا محمد

[illegible] (ہم نے اسے ایک شب

[illegible] نازل ہوئی) حالانکہ انھوں نے قرآن کا

[illegible] اترا تھا۔

[illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]

[illegible] آپ اتار رہے تھے کہ اس کو گویا

[illegible] والا [illegible] اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو

اس کی خبر دی اور امت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

[illegible] اللہ تعالیٰ کا فرمان انا سنلقی علیک قولا

ثقیلا (ہم تم پر عنقریب ایک بھاری بات ڈالیں گے) اس کی

تائید کرتا ہے اور یہ آیۃ اسے ہجرت سے پہلے ہی نازل ہوئی تھی

جو سورۂ مزمل میں ہے۔

ج اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ میں بنی اسرائیل کو خطاب کیا ہے

کیونکہ سورۂ بقرہ مدنی ہے اس کا اکثر حصہ یہود اور بنی اسرائیل پر

احتجاج ہے۔ موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام نے بنی اسرائیل کو اس کی

خبر کر دی تھی کہ اللہ تعالیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کے

وحقائق سے نظر کرنے غائب ہے اس لئے اس کی طرف ایسا
اشارہ کرنا جیسا بعید غائب کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جائز ہے
دوسرا - ہم تسلیم کرتے ہیں کہ مشارٌ الیہ حاضر ہے لیکن یہ
تسلیم نہیں کرتے کہ لفظ ذٰلک سے بعید کی ہی طرف اشارہ کیا جاتا ہے
اس کا بیان یہ ہے کہ ذٰلک اور ہٰذا (دونوں حروف اشارہ ہیں) اور
ان کی اصل ذا ہے کیونکہ ذا اشارے کے لئے وضع کیا گیا ہے

(جیسا) اللہ تعالیٰ نے فرمایا مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا
(ایسا وہ کون ہے جو اللہ کو قرض دے قرض حسنہ) اور ہا (ھا) کا معنے
تنبیہ یعنی خبردار کر دینا ہے جب نزدیک کی چیز کی طرف اشارہ
کیا جائے تو کہتے ہیں "ہٰذا" یعنی اے مخاطب ہوشیار ہو جا جس کی
طرف میں نے اشارہ کیا ہے وہ تیرے لئے اس طرح حاضر ہے کہ
تو اس کو دیکھ رہا ہے اور کاف (یعنی) ذا پر مخاطبت کے لئے آتا ہے
اور لام (ل) معنے اشارے کی تاکید کے لئے ہے (اس ترکیب پر)
ذٰلک کہا گیا گویا کہ بات کرنے والے نے اپنے سے مشارٌ الیہ دور
ہونے کے باعث تنبیہ میں مبالغہ کیا ہے یہ توجیہ اس بات پر

جیسے ہندٌ ذاتُ الاِسنادِ ، یا ذاتُ الدوص علیٰ کذا کہتے ہیں -

امام فخر رازی[1] فرماتے ہیں کہ ہم مشارٌ الیہ کا مؤنث ہی تسلیم نہیں کرتے کیونکہ مونث مسمی ہوگی یا اسم - اور اول باطل ہے کیونکہ مسمی وہ بھی قرآن کا بعض حصہ ہے حالانکہ وہ مونث نہیں ہے اور اسم الٓمٓ ہے اور وہ بھی مونث نہیں ہے ہاں اگر مسمی ہو تو اُس کا دوسرا نام ہے اور وہ سورۃ ہے البتہ وہ مونث ہے لیکن مذکور اول اسم ہے جو مونث نہیں ہے اور وہ الٓمٓ ہے مسمی جو مونث ہو اور وہ سورہ ہے -

ذا[2] - اسم اشارہ ہے اور لام (ل) ستون ہے مشار الیہ کی بُعدیت پر دلالت کرنے کے لئے لایا گیا ہے کاف (ک) خطاب کے لئے ہے - اور مشار الیہ وہی مسمی ہے اور وہ آنکھ سے دکھائی دینے والی چیز کے مرتبہ میں آیا ہے اور باوجود مشارٌ الیہ سے قریب العہد ہونے کے اُس میں جو بعدیت کا معنی ہے مشارٌ الیہ کے علوِ شان پر آگاہ کرنے کے لئے ہے -

اللہ تعالیٰ[3] نے ذٰلک سے ایسی چیز کی طرف اشارہ فرمایا جو بعید ہے کیونکہ کتاب اس حیثیت سے کہ وہ وعدہ کی ہوئی ہے بعید کے حکم میں داخل ہے

زمخشری[4] نے ذٰلک الکتاب کی تالیف الٓمٓ کے ساتھ بہت وجوہ پر

[1] تفسیر کبیر [2] تفسیر ابو سعود [3] روح البیان [4] کشاف - تفسیر

اسرار و دقائق کی باریکی کے باعث سامعین کے وہم و فہم سے غائب ہے اور غور و فکر کے منارے کی بلندی سے دور ہے اس لئے اس کے حق میں وہ کتاب کہی جاتی ہے جو بعد پر دلالت کرتی ہے نہ یہ کتاب کہ قرب پر دلالت کرتی ہے۔

اگر کوئی کہے کہ اسم اشارہ مذکر کیوں برتا گیا حالانکہ مشار الیہ (سورہ) مونث ہے۔

اس کا جواب دو صورت سے خالی نہیں

(۱) یا کتاب اس کی خبر ہوگی۔

(۲) یا صفت۔

اگر اس کی خبر ہو تو ذالک کتاب کے معنی میں ہوگا اور ذالک کا مسمی کتاب ہی ہوگا (ایسی صورت میں) مذکر ہونے میں کتاب کا حکم ذالک پر جاری کرنا جائز ہوگا جس طرح بحالتِ تانیث عرب کے قول مَن کانَت اُمَّکَ میں خبر کا حکم مبتدا پر جاری ہوا ہے اگر اس کو ذالک کی صفت بنائیں تو کتاب ہی کی جانب صریحاً اس کا اشارہ ہو جائے گا کیونکہ اسم اشارہ ایسی جنس کی طرف مشار بہ ہو رہا ہے جو وہی جنس اس کے لئے صفت واقع ہوئی ہے

ملک کشاف و حاشیہ سید شریف جرجانی علی الکشاف   [illegible]

کہا ہے کہ یہاں ذٰلک مبنی نہ اسے اور ذٰلک بصورت الٓمّٓ کی تفسیر
ہونیکے وہ محلاً رفع ہوگا۔

ذٰلک[1]۔ کمالات کے درجہ بعید کی کتاب بے پر دلیل ہے

ذٰلک[2]۔ الٓمّٓ کی جانب اسم ہے یہ اشارہ ہے کہ اس کو قرآن کہا ہے
اور ذٰلک غائب و بعید کا اشارہ ہے حالانکہ الٓمّٓ ظاہر اور قریب ہے اس میں
یہ راز ہے کہ جب اس کلمے سے کلام واقع ہوا ہے یعنی مثل زبان سے
کہ مشرق ظہور ہے سامعہ کی مغرب میں جو محل داد ہے غروب ہو کر دار السلام
دل میں نزول اجلال فرمایا اس وجہ سے اس پر غیبت و بعد کا اطلاق
کر سکتے ہیں یا مرسل ہے کہ جس سے وجود کے سلسلے کا مبدأ ہے مرسل الیہ
کی طرف جس پر دائرہ وجود کا ختم ہے پہنچا تو بمنزلہ بعید ہوا کیونکہ نقاط دائرہ
کے بہت دور کا نقطہ نقطہ اول کی نسبت نقطہ آخر ہے اگرچہ از روئے
وجود و مقام شہود میں سب سے زیادہ قریب ہے تمام مفسرین نے اس پر
اتفاق کیا ہے کہ اشارہ غائب کا مشار الیہ حاضر کی جانب تشبیہی ہے۔

ذٰلک[3] در اصل غائب کی طرف اشارہ ہے لیکن کبھی کبھی حاضر کی طرف
اشارہ کرنے میں بھی کارآمد ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ھل فی ذٰلک قسم

[1] بصائر الرحمن۔ [2] جواہر القرآن [3] بصائر ۱۲ تفسیر

کی ہے چنانچہ ذٰلک کو مبتدائے ثانی یا خبر ثانی، یا بدل، یا مبتدا بنایا ہے۔ اس کو نیز اُبی نے بھی اپنی تفسیر میں درج کیا ہے۔ انشاء اللہ بعد اس کی تفصیل لکھی جائیگی

ذا اسم اشارہ ہے اور الف من جملہ اسم ہے اور کوفیوں نے ذال (ذ) کو تنہا اسم کہا ہے اور الف (ا) کثرت کے لئے بڑھایا گیا ہے اور اس نے اپنے قول بِذِہٖ اَمَةُ اللهِ سے استدلال کیا ہے۔ اور یہ استدلال کوئی چیز نہیں ہے کیونکہ یہ اسم ظاہر ہے اور کلام میں اسم ظاہر ایک حرف پر نہیں ہوتا ہے جو اس استدلال پر محمول کیا جاتا اور اس پر ان کا قول ذَیَا سجالت تصغیر دلالت کرتا ہے کہ انھوں نے اس کو ثلاثی کی طرف پھیر دیا اور ذِہ میں ہا (ہ) ذی کی یا (ی) کا بدل ہے لیکن لام (ل) حرف ہے مشار الیہ کی بعد پر رہنمائی کے لئے زیادہ کیا گیا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ وہ ہا (ہ) سے بدلا گیا ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا ہے کہ تو ہی ہٰذا۔ اور ہٰذاک۔ کہتا ہے حالانکہ تجھکو نہیں کہنا چاہئے اور لام (ل) کو حرکت دی گئی تاکہ دو ساکن جمع نہ ہوں اور دو ساکن ملنے کی اصل پر زیر دیا گیا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اس لام اور لام جر میں فرق ظاہر ہونے کے لئے زیر دیا گیا ہے کیونکہ اگر اس کو زیر دیتا تو ذٰلک پڑھا جاتا اور ملک کے معنے سے ملتبس ہو جاتا اور بعض نے

اس حیثیت[1] سے کہ وہ درحقیقت غیب ہے نہ یہ کہ غیب تصور کرلیا ہو۔

اگر یہ خیال[2] کیا جائے کہ اللہ جوارح اور اعضاء سے محسوس نہیں ہے

اللہ تعالیٰ کی جانب حسی اشارہ نہیں ہوسکتا تو ہم جواباً کہتے ہیں کہ شیخ اکبر[3] نے

خود اس کی تصریح کردی ہے کہ باری سبحانہ محسوس نہیں ہے۔ یعنی اس وقت[4]

ہیں ہمارے نزدیک اس سے مدرک نہیں ہے جب ہم بذریعہ حس اس کی

معرفت کے طالب ہوں کیونکہ ہم اس کو بطریق حس نہیں جانتے ہیں۔

یہی[5] وجہ ہے کہ ہمارے قول کی تائید میں اللہ تعالیٰ خود فرمارہا ہے۔ ذٰلِکُمُ[6]

اللّٰہُ فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ (یہی اللہ ہے تم کہاں بہکے جارہے ہو؟) اور فرمایا ہے

ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ[7] (یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے) اس سے ظاہر ہے کہ اللہ

کی جانب ذٰلک سے حسی اشارہ ہوتا ہے اگر کہا جائے کہ ملا جامی[8] نے کہا ہے کہ

ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ میں اللہ کی طرف حسی اشارہ نہیں ہے تو ہم جواباً کہتے ہیں کہ

ملا جامی نے خود جواز پر محمول کرکے دفع دخل کردیا ہے اور دفع دخل[10] کی

تقریر ہے کہ اسمائے اشارے میں اللہ کی جانب اشارہ ہوتا ہے جیسے ذٰلکم اللہ

(یہی خدا ہے) باوجودیکہ اللہ تعالیٰ بحالت تقریر حسی اشارے سے مشار الیہ

نہیں ہوسکتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس چیز میں حسی اشارہ نہ ہوسکتا ہو وہ

---

[1] جواہر النصوص [2] صوفی اعظم [3] فتوحات مکیہ [4] صوفی اعظم [5] قرآن مجید [6] قرآن شریف [7] ... [8] شرح ملا جامی [9] ... [10] قرآن مجید

(کیا ان چیزوں میں سے کوئی قسم۔ (کہ کافی ہو)[1] اور کبھی یہ بات بھی ہوتی ہے[2] کہ اشارہ نہ حاضر کی جانب ہوتا ہے نہ غائب کی طرف جیسا کہ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ میں ہے کیونکہ حضرت عزت تعالیٰ شانہ صفت غیب و حضور سے منزہ ہے تو یہاں بھی ایسا ہی ہونا چاہیئے کہ اشارہ نہ حاضر کی طرف ہو اور نہ غائب کی جانب کیونکہ کلام اس کا اس کی صفت ہے اس کے حکم سے حاضر رہتا ہے۔

تصوف

ذٰلِكَ (یہ) (حضرت شیخ اکبر[3] فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنا فرمان الٓمٓ فرمانے کے بعد (ذٰلِكَ الْكِتٰبُ) فرمانا ہاتھ سے موجود چیز کی جانب اشارہ ہے کہ اس میں بیشک بُعد ہے۔)

(مؤلف) کیونکہ ذٰلک[4] اسم اشارہ ہے مشار الیہ بعید کے لئے وضع کیا گیا ہے یعنی جوارح[5] و اعضا سے حسی اشارے کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ اس لئے شیخ اکبر[6] نے فرمایا اِشَارَةٌ اِلٰی مَوْجُوْدٍ بَعِیْدٍ (یعنی جو کتاب کہ موجود اور محسوس ہے اس کی طرف ہاتھ سے حسی اشارہ ہے کہ اس میں بیشک بُعد ہے) اَلْخَلْقُ مَعْقُوْلٌ وَالْحَقُّ مَحْسُوْسٌ مَشْهُوْدٌ عِنْدَ الْمُؤْمِنِیْنَ (خلق موہوم مدرک بعقل ہے اور حق محسوس اور مشہود ہے (غیب پر) ایمان لانے والوں کے ہاں)

[1] صوفی اعظم [2] تفسیر اعتقاف [3] فتوحات مکی [4] کافیہ [5] شرح ملا جامی [6] صوفی اعظم [8] فصوص الحکم ۱۲

مگر عشقِ علم[1] تشنگی لب چبیرنا، کھلا معنی ہے پہچاننا، پکارنا، اور یہ اس صورت میں لام سر بعد پکار رہا ہے جو کو خاص اہل اللہ، صوفیا کرام سنتے ہیں ایسے ہی اسرار پر اللہ تعالیٰ علانیہ ارشاد فرما رہا ہے

مَا يَأْتِيهِم مِّن ذِكْرٍ مِّن رَّبِّهِم مُّحْدَثٍ إِلَّا اسْتَمَعُوهُ[2] (اُن کے پاس اُن کے رب کی طرف سے کوئی نیا ذکر نہیں آتا مگر وہ لوگ اُس کو سنتے ہیں)۔

"اور اس[3] وجہ سے بھی کہ لام (ل) عالم اوسط سے ہے"۔

مؤلف (یعنی عالم ملکوت جو عالم شہادت اور عالم[4] جبروت کے بیچ ہے) وہی[5] صفت کی جگہ ہے کیونکہ صفت ہی سے حدیث قدیم سے متمیز ہوتا ہے"۔

صفت[6]، ذاتِ موصوف کی لازمی علامت ہے جس سے موصوف پہچانا جاتا ہے کیوں کہ صفت وہ نام ہے جو ذات کے بعض حالات پر دلالت کرتا ہے۔ جیسے لانبا۔ ٹھگنا۔ عقلمند۔ احمق۔

---

[1] منتخب اللغات [2] قرآن سر یب ۲/۱ [3] فتوحات مکیہ [4] عالم عظمت جس سے اسما صفات الٰہی کا عالم مراد ہے تعریفات سید شریف علی ابی طالب مکی [5] فتوحات۔ [6] تعریفات۔

فرمان (اِخلَع نَعلَیک) (اپنی جوتیاں اتار ڈال) پر کتاب [illegible]
میں جو کلام کیا ہے وہ اس شعر میں پورا ادا کر دیا [illegible]
اور میم (م) اتار ڈال تو الف (ا) صفات سے منزہ باقی رہے گا
(ہو الذات) کیونکہ مراتب حروف میں لام عالم شہادت وجبروت ہے
اور میم عالم ملک وشہادت سے ہے لام (ل) کی طبیعت نار (آگ) ہے اور
میم (م) کی خاکی جب لام (ل) اور میم (م) کی جوتیاں اتار دو گے تو ملکی
و ملکوتی اور آتشی وخاکی صفات سے منزہ الف (ا) باقی رہے گا الف
حرف نہیں ہے مجازاً اس کو حرف کہتے ہیں۔ الف کا مقام، مقام ذات
الف کے لئے حروف کے حجاب عوالم اور تمام مراتب ہیں نور اول ہے
خارج جب بندہ جسم و جسمانیات اور روح و روحانیات سے تمام فنا ہو
آجاتا ہے اللہ ہی باقی رہ جاتا ہے [1] کُلُّ مَن عَلَیہَا فَانٍ (جو
وَیَبقٰی وَجہُ رَبِّکَ ذُو الجَلٰلِ وَالاِکرَام (جو زمین پر ہے سب فنا ہونے والا
اور تیرے پروردگار کی ذات باقی رہے گی (بزرگی اور انعام والی)
یہی بات ہے جو ہم لاانا فرماتے ہیں سہ

---

[1] قرآن شریف ۲۷ سورۂ رحمٰن۔

صفات بکثرت ہیں

(۱) صفاتِ ذاتی۔ جن سے اللہ تعالیٰ کا ہی وصف کیا جاتا ہے
نہ دوسرے کا۔ جیسے قدرت۔ عزت۔ عظمت۔

(۲) صفاتِ فعلی۔ جن سے اللہ تعالیٰ کا وصف کرنا جائز ہے
اور ان سے دوسرے کا بھی وصف ہو سکتا ہے جیسے رضا۔ غضب۔

(۳) صفاتِ جمالی اور صفاتِ جلالی وغیرہ جن سے عبد و رب میں
تمیز ہوتی ہے۔ بہت ہیں۔

اور[1] مفرد کا خطاب کاف (ک) سے مفرداً خاص فرمایا کیونکہ مراتب
حروف میں کاف (ک) مفرد و موحش ہے اور خاصے ہیں متمیز ہوتا ہے
اور[2] خاصہ وہ چیز ہے کہ ایک چیز سے مخصوص ہو اور[3] خاص انفراد کا معنیٰ
معلوم کرنے کے لئے موضوع ہے شیخ اکبر[4] نے کاف (ک) کو مفرداً اس لئے
متقید فرمایا ہے کہ مشترک سے متمیز ہو جائے جس کو خود فرماتے ہیں (تاکہ[5]
نو پیدا چیزوں میں اشتراک واقع نہ ہو جائے۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کے

---

[1] فتوحات [2] کشف الغطا [3] تعریفات [4] فتوحات مکیہ [5] فتوحات

مثال دُئی میں فصل بیان فرماتے ہیں کہ (پھر الف) کہ جو محل جمع ہے ذال (ذ) کے درمیان جو وہ کتاب فرقِ ثانی کی جگہ ہے اور درمیان لام کے جو صفت فرقِ اول کی جگہ ہے (جس سے کتاب پڑھی جاتی ہے) حائل کیا۔ تاکہ خطائی فرق دوسرے فرق سے موہوم نہ ہو اور کبھی حقیقت کو نہ پہنچے اس لئے دونوں میں الف (ا) سے فصل کر دیا ذال۔ اور لام میں الف پردہ ہو گیا۔ ذال (ذ) نے لام کے پاس پہنچنا چاہا۔ الف نے کھڑا ہو کر اُس کو کہا کہ تو میرے ہی ذریعے سے پہنچے گا۔ اور لام نے ذال کی ملاقات چاہی کہ اُس کی امانت اسکو ادا کرے۔ الف نے اس کے حائل ہو کر کہا کہ تو میرے ہی ذریعے سے اُس کی ملاقات کرے گا جب تک تو وجود کو جمع اور تفصیل میں یکتا توحید کو پائے گا۔ کہ وجود کے ساتھ ساتھ ہے وجود کو چھوڑتی نہیں جیسے ایک عدد کا ساتھ اعداد کے ساتھ ساتھ رہتا ہے کیونکہ یقیناً دو کبھی نہیں پائے جاتے جب تک ایک (۱) پر اُس کے مثل اور ایک اضافہ نہ کیا جائے اور تین صحیح نہیں ہو سکتے جب تک ایک (۱) دو (۲) پر زیادہ نہ کیا جائے اسی طرح بے انتہا گنتی تک ایک عدد نہیں ہے

چوں الف گر تو مجرد میشوی — اندریں رہ مرد مفرد میشوی

یہ مقام موسوی علیہ السلام ہے اور مقام محمدی صلے اللہ علیہ وسلم اس مقام سے بدرجہا اعلیٰ وارفع ہے کیونکہ مقام موسوی وادی مقدس میں ہے اور مقام محمدی صلے اللہ علیہ وسلم عرش اعلیٰ پر۔

ع چہ نسبت خاک را با عالم افلاک

اللہ تعالیٰ نے عرش اعلیٰ پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ مبارک میں فرمایا ہے لَا تَخْلَعْ نَعْلَیْكَ (اپنی جوتیاں نہ اُتار) یعنی لام اور میم کی جوتیاں نہ اُتار۔ کیوں کہ فنا عدم ہے اور عدم کا وجود کچھ نہیں ہے جس کا وجود نہ ہو وہ فنا ہے۔ فنا کو فنا کرنے سے وجود لازم آتا ہے۔ اِس لئے فقیر صوفی اعظم نے کہا ہے ؎

فنا کو بھی فنا کرنا ہے لازم — اشارے ہیں یہ ارباب بقا کے[1]

اَلْوُجُوْدُ كُلُّهٗ خَيْرٌ (وجود سب اچھا ہے) اگر وجود فنا کیا جائے تو معاذ اللہ عدم لازم آئے گا۔ اور یہ صریحاً الوہیت و توحید کا انکار اور محض کفر ہے۔ معاذ اللہ اسی لئے شیخ اکبرؒ اس مقام کی حقیقت

[1] دیوان حضرت صوفی اعظم۔

بلکہ عین عدد ہے (یعنی اُس سے عدد ظاہر ہوا) تو کُل عدد ایک[1] ہے
مثلاً اگر ہزار سے ایک کم ہو جائے تو ہزار کا نام نیست ہو جائے گا اور
اس کی حقیقت معدوم ہو جائے گی۔ بلکہ دوسری حقیقت باقی رہ جائیگی
اور وہ (حقیقت) ۹۹۹ نوسو ننانوے ہے۔ اگر اُس سے ایک[1] کم ہو جائے تو
اُس کا عین جاتا رہے گا (غرض کہ) جب تک کسی شئے سے ایک معدوم
ہوتا رہے گا وہ شئی معدوم ہوتی رہے گی اور جب تک ایک قائم رہے گا
وہ شئے موجود رہے گی۔ ایسی ہی توحید ہے۔ اگر تو اس کو سمجھے
تحقیق[2] یہ ہے۔ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ (اور وہ تمہارے ساتھ ہے
جہاں کہیں تم ہو)۔

شعر[3]: چیست توحید خدا آموختن   خویشتن را پیش واحد سوختن

پھر[4] ذا فرمایا "ذا" مبہم ہے اِس لئے "کتاب" فرما کر مبہم کو ظاہر کر دیا
اور "ذا" کی حقیقت وہی ہے۔ اگر کہا جائے کہ کتاب قریب موجود ہے
اس کی طرف بعید کا اشارہ کرنے کی کیا وجہ ہے؟ تو ہم جواباً کہتے ہیں کہ
اس کا درجہ دور اور بلند ہونے کی وجہ سے بعد مسافت کی منزلت میں نازل

---

[1] قرآن شریف [2] مثنوی شریف [3] فتوحات حامیہ [4] دسوقی علی مختصر معانی =

اللہ تعالیٰ پر کوئی نیا حال وارد نہیں ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ پر عالم پیدا ہونے سے
کوئی ایسا وصف نہیں بڑھ گیا جو عالم پیدا ہونے کے پہلے نہ تھا بلکہ اللہ تعالیٰ
اب ایسا ہی ہے جیسے عالم پیدا ہونے کے پہلے تھا چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا وصف بیان کرنے کیوقت فرمایا کَانَ اللّٰہُ وَلَمْ یَکُنْ
مَعَہٗ شَیْءٌ (اللہ تعالیٰ تھا اس کے ساتھ کوئی چیز نہیں تھی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں اتنا بڑھا دیا گیا ھُوَ الْاٰنَ
عَلٰی مَا عَلَیْہِ کَانَ (اللہ تعالیٰ اب ایسا ہی ہے جیسا پہلے تھا) جس کو
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا تھا وہ حدیث میں درج کر دیا
اس سے صوفیائے کرام علیہم الرحمۃ کا یہ مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ
کے لئے عالم موجود ہونے سے پہلے جو صفت واجب تھی عالم موجود ہونیکے
بعد بھی اللہ تعالیٰ اسی صفت پر ہے۔ یعنی عالم موجود ہونے سے اللہ تعالیٰ
کچھ گھٹا بڑھا نہیں ہے

گھٹے وحدت میں کب نہ تھے بڑھے کثرت میں تم کب
تمھارا حال روزانہ جو پہلے تھا وہ اب بھی ہے [1]

جو شخص حقائق سے واقف ہونا چاہے اس کے پاس حقیقتیں ایسی ہی ہیں

[1] دیوان صوفی اعظم۔

پھر اللہ تعالیٰ نے آیات میں فرق پیدا کرکے فرمایا[1] إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ (ہم نے اس (کتاب) کو ایک مبارک رات میں اتاری) یہ مقام جمع ہے۔ پھر فرمایا[2] فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ (اس رات میں ہر حکمت والا کام فیصل کیا جاتا ہے) یہ مقام فرق ہے۔ اور فرمایا[3] وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ مِن كُلِّ شَيْءٍ (اور ہم نے موسیٰ کو ہر چیز تختیوں میں لکھ دی) فی الالواح مقامِ فرق ہے۔ من کل شیءٍ مقام جمع اشارہ ہے مَّوْعِظَةً وَتَفْصِيلًا (نصیحت اور تفصیل) مقام فرق کی طرف الٹ ہے۔ مِن كُلِّ شَيْءٍ (ہر چیز سے) مقام جمع کی طرف الٹ ہے (اس صورت میں) ہر موجود یعنے عموماً جو موجود ہو دو حال سے خالی نہ ہوگا۔

(۱) یا عین جمع میں ہوگا۔ (۲) یا عین فرق میں

ان دونوں حقیقتوں سے موجود معرا ہونے کے کوئی راہ ہی نہیں ہے اور نہ کبھی ان دونوں حقیقتوں کو اکٹھی کرسکتا ہے (اس حالت میں) اللہ اور انسان عین جمع میں اور عالم عین تفرقہ میں۔ اکٹھا نہیں ہوسکتا جیسے اللہ کبھی الگ نہیں ہوتا ایسا ہی انسان الگ نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ ازل میں اپنی ذات وصفات واسما سے ہمیشہ موجود تھا

[1] سورۃ دخان [2] سورۃ دخان [3] قرآن شریف

اس حدیث کے لغت کا بیان

قولہ (راوی کا قول) سَمِعْتُ (میں نے سنا) سَمِعْتُ الشَّیْءَ سَمْعًا وَسَمَاعًا وَسَمَاعَۃً وَسَمَاعِیَۃً سے ہے اور سمع انسان کی سماعت ہے سمع واحد ہوتا ہے اور جمع بھی جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَ عَلٰی سَمْعِھِمْ (اللہ نے اُن کے دلوں پر اور اُن کی سماعتوں پر مہر کر دی) کیونکہ سمع اصل میں مصدر ہے جیسے ہم نے ذکر کیا۔ سمع کی جمع اسماع ہے اور جمع قلت اَسْمَع ہے اور اسمع کی جمع اسامع ہے پھر نحویوں نے سمعت میں دو طرح اختلاف کیا ہے کہ آیا دو مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے یا نہیں؟۔

(۱) ہاں (ہوتا ہے) یہ فارسی کا مذہب ہے لیکن مفعول ثانی سنی چیز ہونا ضرور ہے جیسے سَمِعْتُ زَیْدًا یَقُوْلُ کَذَا (میں نے زید کو ایسا کہتے سنا) اگر یوں کہے سَمِعْتُ زَیْدًا اَخَاکَ (میں نے تیرے بھائی زید کو سنا) تو جائز نہ ہوگا صحیح یہ ہے کہ سَمِعْتُ ایک ہی مفعول کی جانب متعدی

لہ علی سلہ قرآن شریف

آدم پر بہتر مطلب

اصل[1] میں تذکیر ہے اور وہ آدم ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ذٰلِكَ (آدم کی طرف اشارہ ہے) اور تانیث فرع میں ہے اور وہ حوا ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان تِلْكَ (حوا کی طرف اشارہ ہے) مؤلف[2]: کیونکہ آدم علیہ السلام پہلے پیدا ہوئے ہیں جو جڑ کی طرح اور مذکر ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں کی طرف ذٰلک سے اشارہ فرمایا ہے اور ذٰلک بھی مذکر کا اسم اشارہ ہے پھر ان سے حوا علیہا السلام پیدا ہوئی ہیں جو شاخ کی طرح اور مؤنث ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں کی طرف تلک سے اشارہ فرمایا ہے اور تلک بھی مؤنث کا اسم اشارہ ہے اس صورت میں آدم[3] صفات جمع کرنے کے لئے ہیں اور حوا ذوات الگ الگ کرنے کے لئے کیونکہ حوا محل فعل و مقام تخم ہے اسیطرح آیات۔ احکام و قضایا کی جگہ ہے اللہ تعالیٰ نے ذٰلک اور تلک کے معنے اپنے اس فرمان[4] آتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ (ہم نے اس کو تدبیر اور بات کا فیصلہ عطا فرمایا) میں جمع کر دئے ہیں۔

---

[1] فتوحات شریف [2] صوفی اعظم [3] فتوحات شریف [4] قرآن شریف۔

فاعل مفعول کا علاج کرتا ہے جیسے کونچی اور اس کے مانند منبر ایسا نہیں ہے بلکہ علو اور بلندی کی جگہ ہے صحیح وہی ہے جس کو ہم نے رکھا ہے اَلْمِنْبَرُ[۱] میں الف لام (ل) عہد کا ہے یعنی مسجد نبوی کا منبر حمّاد بن زید[۲] کی روایت میں یحیٰی سے سَمِعْتُ عُمَرَ يَخْطُبُ (میں نے عمر کو خطبہ پڑھتے سنا) ہے۔

اس[۳] روایت میں منبر کا ذکر نہیں ہے۔ ۱۵ - قَوْلُهٗ الْاَعْمَالُ (فرمان حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عملیں) اعمال عمل[۴] کی جمع ہے اور وہ مصدر ہے جیسا تو کہتا ہے عَمِلَ يَعْمَلُ عَمَلًا۔ حالانکہ ترکیب فعل یفعل پر دلالت کرتی ہے

سوال۔ عمل اور فعل میں کیا فرق ہے۔

جواب صغانی نے کہا ہے کہ فعل کی ترکیب عمل وغیرہ سے ایک نئی شئے پیدا کرنے پر دلالت کرتی ہے۔ تو یہ عمل سے زیادہ فعل عام ہونے کی کھلی دلیل ہے فعل۔ بالکسر۔ اسم ہے۔ اس کی جمع فعال اور افعال ہے اور بالفتح مصدر ہے جیسے تو کہتا ہے فَعَلْتُ الشَّيْءَ اَفْعَلُهٗ فِعْلًا وَفِعَالًا۔ ۱۵ -

---

۱ - فتح الباری ۲ - کرمانی ۳ - عمدۃ القاری ۴ - عینی

ہوتا ہے۔ کیونکہ مفعول کے بعد جو فعل واقع ہے وہ مقام حال میں ہے
سَمِعْتُہ حال قَوْلِہٖ کَذَا (میں نے اسے ایسا کہنے کی حالت میں سنا)
قَوْلُہٗ (راوی کا قول) عَلَی الْمِنْبَرِ (منبر پر) مِنبر بکسر میم (م) نَبر سے
مشتق ہے۔ نبر کا معنی بلندی ہے جوہری نے کہا ہے نَبَرْتُ الشَّیْءَ اَنْبِرُہٗ
نَبْرًا (میں نے اس چیز کو بلند کر دیا) اسی سے منبر نام رکھا گیا۔ میں کہتا ہوں
کہ وہ ضَرَبَ یَضْرِبُ کے باب سے ہے اور نَبَرْتُ الشَّیْءَ اَنْبِرُہٗ کَسَرْتُہٗ
اَکْسِرُہٗ کے مثل ہے یعنے اس کو بلند کر دیا۔ اسی سے منبر نام رکھا گیا۔
کیونکہ وہ اونچا ہوتا ہے اور اُس پر آواز بلند ہوتی ہے۔ اگر تو کہے کہ
یہ وزن آلہ کے اوزان سے ہے اور اس کے تین وزن ہیں۔
(۱) مِفْعَلٌ جیسے مِحْلَبٌ (۲) مِفْعَالٌ جیسے مِفْتَاحٌ (۳) مِفْعَلَۃٌ جیسے مِکْحَلَۃٌ
قیاساً اس میں میم (م) پر فتح چاہیے تھا۔ کیونکہ وہ علو اور بلندی کے
مقام میں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ اور اِس کے مانند اسما اسی صیغے پر
موضوع ہیں نہ قیاس پر۔ کرمانی نے کہا ہے منبر یہ لفظ آلہ ہے کیونکہ
آلۂ ارتفاع ہے۔ اس میں اعتراض ہے کیونکہ آلہ وہ چیز ہے جس سے

لہ عینی تلہ صحاح سلہ عینی

اور یہی مشہور ہے تو نیت۔ نوایہ یوی سے مشتق ہو گی جب کہ توسط اختیار کیا۔ جس نے سکون دیا وَنی بیٔ سے ہو گی جب کہ تاخیر کی کیونکہ نیت اپنی توجہ و تصحیح میں سستی و تاخیر کی محتاج ہو جائے گی۔
میں کہتا ہوں کہ یہ قول بعید ہے کیونکہ مصدر نہ ہے۔ ونی۔ بنی۔ ونے ہو گا۔ جوہری نے کہا وَنَیتُ فِی الاَمرِ کہا جاتا ہے انی و نیا یعنے میں بحالت سستی ناتوان ہو گیا پھر نیت کی تفسیر میں بھی اختلاف کیا ہے بعض نے کہا فعل کی طرف قصد کرنا ہے اور خطابی نے کہا کسی چیز کی طرف دل سے ارادہ کرنا ہے اور اُس کی طلب میں فکر کرنی ہے۔ تیمی نے کہا یہاں نیت قلب کی توجہ ہے بیضاوی نے کہا نیت سے یہ مراد ہے کہ حال یا مآل میں جلب نفع یا دفع ضرر جو چیز اپنی غرض کے موافق دیکھے اُسکی طرف دل کھڑا ہو جانا۔
نیت[1] قصد ہے۔ اور وہی قلب کا ارادہ ہے۔ کرمانی[2] نے کہا نیت عزیمتِ قلب نہیں ہے کیونکہ متکلمین نے کہا ہے کہ ایجاد کے وقت ہم اپنے نفوس سے قصد الی الفعل نہیں پاتے ہیں۔ کبھی عزم اس پر

[2] نووی نے کہا کہ صحی ۔

کرمانی[1] نے کہا ہے کہ الاعمال جمع محلی ہے۔ اس میں (الف لام (ل)) استغراق کا فائدہ دیتا ہے اور یہ قصر کے لیے مستلزم ہے۔ اس کا یہ معنے ہے کہ ہر عمل نیت سے ہی ہوتا ہے۔

اس[2] کا نتیجہ یہ نکلا کہ عمل ہوتا ہی نہیں مگر نیت سے ۱ھ۔ قولہ بالنیات (حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان۔ نیتوں سے) نیات[3]۔ نیت کی جمع ہے باب ضرب یضرب۔ نوی۔ ینوی سے مشتق ہے۔ جوہری نے کہا۔ نویت نیۃ ونواۃ۔ یعنے میں نے ارادہ کرلیا اور انتویت اس کے مانند ہے کسی شاعر نے کہا ہے ؎

صرمت امیمۃ خلتی وصلاتی
ونوت ولما تنتوی کنواتی

(امیمہ نے میری دوستی اور محبت کاٹ دی اور ارادہ کرلیا افسوس میرے ارادہ کے مانند کیوں ارادہ نہ کیا) جیسے نویت فیھا اور فی موردھا میں ہو۔ تو کہتے ہیں نیات۔ بہ تشدید "یا" (ی) مشہور ہے اور بہ تخفیف "یا" بھی کہا ہے۔ ایک شارح[4] نے کہا ہو کہ جس نے تشدید دی

---

[1] فتح الباری [2] صدری عظم [3] عینی [4] نودی [5] عینی۔

قولہ امرءٍ (حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان۔ اِمْرَءٍ) امرء کا معنے مرد ہے اس میں دو لغت ہیں۔

(۱) اِمْرَءٌ جیسے۔ زَبَرْجٌ		(۲) مَرْءٌ جیسے فَلْسٌ۔

اس کے لفظ میں اس کی جمع نہیں ہے۔ یہ منجملہ غرائب ہے کیوں کہ اس کا عین فعل۔ ہر تینوں حرکتوں میں ہمیشہ لام (ل) کا تابع ہے اسی طرح اُس کے مؤنث میں بھی دو لغت ہیں۔

(۱) اِمْرَأَةٌ۔		(۲) مَرْءَةٌ

اس حدیث میں ہر دو نوع سے اگلا لغت استعمال کیا گیا ہے جیسے فرمایا ہے لِكُلِّ امْرَءٍ اور اِلٰی اِمْرَأَةٍ۔

قولہ هجرته (حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان۔ اُس کی ہجرت) هِجْرَةٌ۔ بکسرہا (ھ) فعلۃ کے وزن پر ہجرت ہے ہجر وصل کا ضد ہے۔ پھر ایک زمین سے دوسری زمین کی جانب نکلنے اور اگلے کو دوسرے کے لئے چھوڑنے پر اس کا استعمال غالب ہوا۔ ہجر وصل کا ضد ہے (اس کا اشتقاق کبھی یوں ہوتا ہے) هَجَرَهُ يَهْجُرُهُ (بالضم) هَجْرًا وهِجْرَانًا۔ هِجْرَةٌ۔ اسم ہے هجرة بمعنی ترک بھی کہی جاتی ہے ہجرت

بعنی ۔ ۵ نہایہ ۔ ۵ عباب ہجر

مقدم ہوتا ہے اور کمی زیادتی قبول کرتا ہے۔ قصد اس کے خلاف ہے
ان دونوں میں دو جہت سے فرق کیا ہے اس لئے نیت کی تفسیر
عزم سے صحیح نہیں ہو سکتی۔ میں کہتا ہوں کہ عزم فعل کا ارادہ کرنا ہے
اور اس پر قطع کر دینا ہے یہاں نیت سے یہی معنی مراد ہے۔ اسی لئے
نووی۔ نے قصد یعنی نیت کی تفسیر عزم سے کر دی ہے۔ یہ سمجھ کر کہ حافظ
ابو الحسن علی بن فضل مقدسی نے نیت اور ارادہ۔ اور قصد اور
عزم ایک ہی معنے میں کرتے ہیں۔ پھر کہا ایسی ہی میں نے ہر شئے پر
نیک رائے دی اور اس پر اعتماد کر لیا۔ اللہ تعالیٰ پر ارادے کا
اطلاق ہوتا ہے نہ قصد وغیرہ کا۔ بِالنِّيَّاتِ (میں) بے (ب) مصاحبت
کے لئے ہے اور سبب کے لئے بھی ہو سکتا احتمال ہے اور الف لام
دال ضمیر کے پس آئندہ ہیں اس کی تقدیر یہ ہے کہ اَلْاَعْمَالُ بِنِیَّاتِھَا
اعمال ان کی نیتوں کے ساتھ ہیں۔

نیت بکسر نون و تشدید یائے تحتانی مشہور ہے بعض لغت میں
بتخفیف "یا" ہے۔

---

[1] اربعین [2] فتح الباری۔

جب مکہ فتح ہو گیا یہ خصوصیت اُٹھ گئی۔ اور جسے نقل کرنے کی قدرت ہو اُسے دار کفر سے عموماً نقل کرنی باقی رہ گئی۔

قَوْلُهٗ اِلٰی دُنْیَا (حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان۔ دنیا کی طرف) دُنیا بضم دال (دُ) فُعْلٰی کے وزن پر مقصورہ بے تنوین ہے اور اس میں ضمہ زیادہ مشہور ہے اور ابن قتیبہ وغیرہ نے بکسر دال (دِ) نقل کی ہے اس کی جمع دُنٰی ہے جیسے کبریٰ کی کُبَر ہے دنیا کی طرف کسی چیز کی نسبت کی جائے تو "دنیوی" ہے اور واو (و) کو یا (ی) کے ساتھ بدل کر کہیں تو دُنْیِیِّی ہے اس صورت میں تین یا (ی) جمع ہو جاتی ہیں۔ جوہری نے کہا ہے دنیا زوال سے قریب ہونے کے باعث بنام دُنیا نامزد ہوئی ہے اِس کی جمع دُنٰی ہے جیسے کبریٰ اور کبر۔ صغریٰ اور صغر۔ دنیا کی اصل دنو ہے دو ساکن جمع ہونے کی وجہ سے واو (و) حذف کر دیا گیا۔ دنیا کی طرف کسی چیز کی نسبت کی جائے تو دنیاوی ہے۔ میں کہتا ہوں اگر یوں کہا جاتا۔ کہ واو (و) الف (ا) سے بدلا گیا۔ پھر دو ساکن ملنے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا تو بہتر ہوتا۔

سے یہاں یہ مراد ہے کہ وطن چھوڑ کر غیر وطن کی طرف چلے جائیں۔
شریعت میں ہجرت اُس کو کہتے ہیں کہ بخوفِ فتنہ اقامتِ دین کی طلب میں دارکفر چھوڑ کر دار اسلام میں چلے جائیں۔ حقیقت میں ہجرت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مکروہ چیزوں سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی محبوب چیزوں کی طرف ہو جائیں۔ اسی وجہ سے جو صحابہ وطن (مکہ) چھوڑ کر مدینہ جا بسے اُن کو مہاجر کہتے ہیں۔ ہجرت[1] ترک ہے ایک شئے سے دوسری شئے کی طرف نقل کرنیکو ہجرت کہتے ہیں۔ اور شریعت میں اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کی نہی کی ہے اُن کو ترک کر دینا ہجرت ہے
اسلام میں ہجرت دو طرح واقع ہوئی ہے۔
(۱) دارخوف سے دارامن کی طرف نقل کرنی جیسے حبشہ کی ہجرت اور مکے سے مدینے کی طرف ہجرت کی ابتداء۔
(۲) دارکفر سے دارایمان کی طرف۔ یہ ہجرت اس وقت سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مستقر مدینہ بنایا۔ اور جس مسلمان سے ممکن ہوا اُس کی طرف ہجرت کر لی۔
یہ ہجرت مدینے کی طرف نقل کرنے کی مکہ فتح ہونے تک خاص تھی

[1] فتح الباری۔

یہ اظہر[1] ہے ۔ ابن حجر[2] نے کہا کہ اول اولیٰ ہے ۔ لیکن اس میں اتنا
زیادہ کر دیا جائے کہ قیام قیامت سے پہلے جو چیزیں ہیں ۔ اُن کے
ہر جزء پر مجازاً اطلاق ہو سکے ۔

قولہٗ یُصِیْبُھَا (حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ۔ اُس کو پہنچا یعنی حاصل ہوں)
یُصِیْب[3] ۔ اصاب ۔ یصیب ۔ اصابہ سے ہے ۔ اصابۃ سے حصول
یا وجدان مراد ہے ۔ اصابہٗ[4] (اُس کو پہنچا یعنی اُس کو پایا) جیسے کہتے
ہیں اَصَابَ فُلَانٌ الصَّوَابَ فَاَخْطَأَ الْجَوَابَ (صواب کا قصد کر کے
صواب کا ارادہ کیا ۔ مگر اُس کی مراد یعنی جواب میں خطا کی)
ابوبکر انباری[5] نے اللہ تعالیٰ کے فرمان تَجْرِیْ بِاَمْرِہٖ رُخَآءً حَیْثُ
اَصَابَ (نرم نرم ہوا چلتی تھی اُس کے حکم سے جہاں پہنچنا چاہتا تھا)
میں کہا ہے یعنے جہاں ارادہ کیا ۔ یہاں سب معانی صادق آتے ہیں
ابن حجر[6] نے کہا یُصِیْبُھَا یعنی یحصلھا (اس کو حاصل ہوتا ہے) کیونکہ
اس کا حاصل ہونا غرض کو پہنچنے کے مانند ہے ۔

قولہٗ[7] اَوِ امْرَاَۃٍ (حضرت کا فرمان ۔ یا عورت) اس میں عام کے بعد
خاص اہتمام حذر ہے ۔ تخذیر میں زیادہ اہتمام اس لئے ہے کہ

[1] نووی [2] فتح الباری [3] عینی [4] عباب ۔ [5] عینی [6] قرآن شریف 23/12 [7] فتح الباری [8] فتح الباری ۔

بعض فاضل عالموں نے کہا ہے کہ اس میں بلا اختلاف تنوین نہیں ہے
اس کو لغت اور عربی جاننے والوں میں باہم خوب جانتے ہیں۔
بخاری کے شارحوں سے بعض متاخرین نے کہا ہے کہ اس میں تنوین
نادر لغت ہے مگر ٹھیک نہیں ہے کیونکہ لغت میں معروف نہیں ہے
غلطی کا سبب یہ ہے کہ بخاری کے بعض راویوں نے اس کو تنوین
کے ساتھ روایت کیا ہے اور وہ ابو ہیثم کشمیہنی ہیں۔ درحقیقت وہ اس
قابل نہ تھے کہ ان پر یہ غلطی لگائی جائے بعض تو یوں کہنے لگے کہ یہ
لغت ہے جیسے انہیں اسکے مماثل روزہ دار کے منہ کی بو میں واقع
ہوا۔ تو انہوں نے اس میں دو لغت کہہ دئے حالانکہ اہل لغت ضمہ
یا فتح ہی پہچانتے ہیں۔ یہ لغت نہیں ہے بلکہ مردود روایت ہے۔
میں کہتا ہوں مجاج نے کہا لغت میں دنیا پر تنوین آئی ہے دنیا کی
حقیقت جمع میں بہت طول دیا ہے جس کو میں نے کنایۃً کہا ہے دنیا کی
میں متکلمین کے دو اقوال ہیں۔

(۱) زمین پر جو چیزیں ہیں ہوا۔ اور خلو۔

(۲) کل مخلوقات جواہر و اعراض جو دار آخرت کے آگے ہیں

پوشیدہ ضمیر ظاہر کر دی کہ اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کی لذت اور بڑی شان ہے بخلاف دنیا اور عورت کے کہ سیاق ان سے اعراض کرنے کے لئے رغبت دلاتا ہے۔

کرمانی نے کہا کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان اِلَیٰ مَا هَاجَرَ اِلَیْهِ ہجرت سے متعلق ہو تو خبر محذوف ہوتی ہے اور تقدیر قبیح یا غیر صحیح ہو جاتی ہے یہ بھی احتمال ہوتا ہے کہ فَهِجْرَتُهُ خبر ہو اور جملہ مَنْ كَانَتْ مبتدا کی خبر ہو قول ثانی راجح ہے۔ کیونکہ قول اول مقتضی ہے کہ وہ ہجرت مطلق بری ہے درحقیقت ایسا نہیں ہے جیسے کسی نے دار کفر سے ہجرت کی نیت کی۔ اور ساتھ ساتھ عورت سے ازدواج بھی کر لیا تو یہ ہجرت نہ بری ہوگی نہ غیر صحیح۔ بلکہ بہ نسبت اس کے ناقص ہوگی جس کی ہجرت خالص ہو۔ مگر بقدر قصد ثواب پائے گا چنانچہ ابو طلحہؓ کے اسلام کا قصہ مشہور ہے۔ ابو طلحہؓ نے ام سلیمؓ سے ازدواج کر لیا اور مہر اسلام تھا۔ ام سلیمؓ ابو طلحہؓ سے پہلے مسلمان ہوئیں۔ ابو طلحہؓ نے ان سے پیغام کیا۔ کہا میں مسلمان ہوں اگر تم مسلمان ہو جاؤ تم سے ازدواج کر لوں گی۔ ابو طلحہؓ نے اسلام سے مشرف ہو کر نکاح کر لیا

عورت کی طرف سے زیادہ تر فتنہ ہوتا ہے - اس حدیث میں ام قیس کے مہاجر کا قصہ ہے جس کا نام قَیْلَہ تھا (فتح قاف اقسام وسکون یا ی) ابن بطال نے ابن سراج سے حکایت کی ہے کہ حدیث میں عورت کی تخصیص کا سبب یہ ہے کہ عرب - عربیہ کو آزاد غلام کے ساتھ شادی نہیں کر دیتے تھے نسب میں کفو کی رعایت کرتے تھے جب اسلام آیا ان کا نکاح مسلمانوں کے برابر کر دیا تو بہت لوگوں نے عورتوں سے شادی کر لینے کے لئے مدینے کی طرف ہجرت کی، یہ مقام نقل ثابت کا محتاج ہے - کہ یہ مہاجر غلام آزاد تھا اور عورت عربیہ تھی - اسلام نے عرب سے علی الاطلاق اس کی نفی نہیں کی بلکہ ایک خلق کثیر نے آزاد غلاموں کے ساتھ اسلام سے پہلے شادی کر دی ہے - درحقیقت اسلام نے مقام شرع میں کفو کی رعایت باطل کر دی ہے

قولہ فَهِجْرَتُهُ إِلَىٰ مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ (حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان - ہجرت اُس کی اسی طرف ہو گی جس کی طرف اُس نے ہجرت کی) یعنی حکماً شرعاً) ضمیر[1] سے ذکر کرنے میں یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ عورت اور سب چیزوں پر شامل ہے - اگلے جملے میں اس قصد سے

[1] قسطلانی، [2] فتح الباری۔

کتب آلہیہ کا بیان

وَلِلّٰہِ تَعَالٰی کُتُبٌ اَنْزَلَھَا عَلٰی اَنْبِیَائِہٖ وَبَیَّنَ فِیْھَا اَمْرَہٗ وَنَھْیَہٗ وَعْدَہٗ وَوَعِیْدَہٗ (اور اللہ تعالیٰ کی کتابیں ہیں۔ اِن کو اپنے پیغمبروں پر اُتارا اُن میں اپنا حکم اور نہی اور خوشخبری ثواب کی اور عذاب کا ڈر ظاہر کر دیا) [2] یہاں کتابوں سے صرف (توراۃ۔ زبور۔ انجیل۔ فرقان) ہی مراد نہیں ہے بلکہ ان کے سوا ایک سو صحیفے بھی اس میں شامل ہیں یہاں [3] یوں تعریف کرنی چاہیے تھی کہ تمام کتابیں جنکو اللہ نے رسولوں اور پیغمبروں پر اُتارے ہیں وہ سب اللہ کا غیر مخلوق کلام ہے اور وہ ایک سو صحیفے چار کتابیں ہیں اِن سے پچاس صحیفے حضرت شیث ابن آدمؑ پر اور تیس صحیفے حضرت ادریس پر اور دس صحیفے حضرت ابراہیم پر اور دس صحیفے حضرت موسیٰ پر (توریت اُترنے کے پہلے) نازل فرمائے پھر حضرت داؤد پر زبور اور عیسیٰ ابن مریم پر انجیل (عیسیٰؑ انبیائے بنی اسرائیل کے آخر نبی ہیں) پھر حضرت

---

[1] عقائد نسفی [2] عصمت [3] نور کلام

بداسلام میں رغبت دلانے پر محمول ہے۔ غزالی کا قول مختار یہ ہے
کہ اگر دنیوی قصد غالب ہو تو اجر نہ ملے گا اگر دینی ہو تو بہ قدر قصد اجر
ملیگا اگر دونوں برابر ہوں تو کچھ اجر نہیں۔ ابو جعفر ابن جریر طبری نے
جمہور سلف سے نقل کی ہے اگر عبادت کی نیت کی اور اُس میں کوئی
غیر اخلاص شئے ملا دی تو جمہور سلف کے نزدیک ابتدا کا اعتبار ہوگا
اگر ابتدا خالصاً للہ ہوگی تو بعد کی عارضی چیز ضرر نہ دے گی۔

قَوْلُهٗ يَنْكِحُهَا (حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان۔ اسکو نکاح کریگا)[1] یعنی
اسکو زوجہ بنالیگا جیسے۔ دوسری روایتوں میں ایسا ہی آیا ہے کبھی لفظ نکاح
کسی چیز سے کسی چیز کو نزدیک کرنے کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے اسی سے
اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ[2] یعنی ہم نے اُن کو
حورعین کے نزدیک کر دیا) اس کو اکثر مفسروں نے کہا ہے مجاہد اور
دوسروں نے کہا۔ ہم نے اُن کو نکاح کر دیا نکاح ضَرَبَ يَضْرِبُ کے باب سے
جب شادی کریں یا جماع تو کہتے ہیں نَكَحَ يَنْكِحُ نَكْحًا۔ نِكَاحًا[3] اور نکاح
وطی کو کہتے ہیں اور نکح اور نکاح بمعنی ازدواج بھی ہے اور ترکیب
چند معنوں پر دلالت کرتی ہے ⁂

---

[1] یعنی [2] قرآن شریف [3] عطاء۔

لیکن صرف پڑھی اور سنی ہوئی نظم میں تعدّد اور تفاوت ہے اس اعتبار سے قرآن افضل ہے۔ پھر توریت۔ انجیل۔ زبور جیسا قرآن ایک کلام ہے اس میں تفضیل کا تصور نہیں ہو سکتا۔ البتہ پڑھنے اور لکھنے کے اعتبار سے بعض صورتوں کا افضل ہونا جائز ہے۔ جس طرح حدیث شریف میں وارد ہے اور تفضیل کی حقیقت یہ ہے کہ اس کا پڑھنا اس وجہ سے افضل ہے کہ اس میں زیادہ نفع ہے یا اللہ تعالیٰ کا ذکر زیادہ ہے پھر قرآن سے اگلی کتابیں تلاوت اور کتابت اور بعض احکام کے ساتھ منسوخ ہو گئیں۔

درحقیقت[1] اللہ تعالیٰ کا کلام ایک ہے ازلی ہے صرف کثرت اس کے تعلقات اور اس کے اعتبار سے حاصل شدہ اقسام اور ان اقسام پر دلالت کرنیوالے الفاظ میں ہے

علامہ تفتازانی نے تعدد اور کثرت سے اسی عدد کا قصد کیا ہے جس کو تم نے صدر کتاب میں معلوم کر لیا ہے۔

مولانا[2] احمد بن موسیٰ فرماتے ہیں کہ اس حیثیت سے سب ایک ہے

[1] ابو درد ملخصاً [2] حاشیہ خیالی علی التفتازانی۔

محمد مصطفٰے (علیہ وعلیٰ جمیع الانبیاء الصلوٰۃ والسلام پر) فرقان یعنی قرآن شریف اُتارا اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم رسولوں کے آخر رسول ہیں جو کوئی اِن کتابوں سے کسی ایک آیت کا انکار کرے وہ کافر ہے

امام ابو المنتہیٰ[1] نے یوں تفصیل فرمائی ہے کہ رسولوں پر اُتری ہوئی کتابیں جملہ ایک سو چار ہیں حضرت آدمؑ پر دس صحیفے حضرت شیثؑ پر پچاس صحیفے حضرت ادریسؑ پر تیس صحیفے حضرت ابراہیمؑ پر دس حضرت موسیٰؑ پر توراۃ حضرت داؤدؑ پر زبور حضرت عیسیٰؑ پر انجیل ہمارے نبی حضرت محمد مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وعلیٰ جمیع المرسلین وآلہ وسلم) پر فرقان۔

ملا علی قاری[2] نے نازل شدہ کتابوں میں تعداد کا تعین نہیں فرمایا ہے (میرے[3] نزدیک یہی ٹھیک ہے)۔

مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی[4] نے بھی ایک سو چار ہی کی تعداد فرمائی ہے۔

تمام[5] کتابیں اللہ پاک کا کلام ہے اور اللہ کا کلام ایک ہے

---

[1] شرح فقہ اکبر لابی المنتہی وشرح عمدہ وعقائد الاسلام [2] شرح فقہ اکبر لملا علی قاری [3] صوفی اعظم [4] تکمیل الایمان [5] شرح عقائد نسفی تفتازانی

اور توریت تمام اسماء معانی کی تجلیات سے مراد ہے۔ اور انجیل سے تجلیات ذات کی تجلیات سے مراد ہو اور فرقان جملہ صفات اور اسماء کی تجلیات مراد ہے خواہ وہ ذاتی ہوں یا صفاتی اور قرآن محض ذات سے مراد ہے۔

صِفَاتُ اللّٰہِ فُرْقَانٌ وَذَاتُ اللّٰہِ قُرْآنٌ

اللہ کی صفات فرقان ہے اور اللہ کی ذات قرآن ہے

اب جاننا چاہیئے کہ جو کتاب کسی نبی پر نازل کی گئی۔ اس میں وہی علوم ہوتے تھے جن کو وہ نبی حکمت الٰہی کے طور پر جانتے تھے تاکہ وہ نبی اس سے جاہل نہ رہیں تو تمام کتابیں ایک دوسرے کیساتھ فضیلت میں خدا کے نزدیک ایسے ہی متمیز ہیں جیسے کہ رسول اپنے اپنے مرتبہ میں ایک دوسرے کے ساتھ متمیز تھے اسی واسطے قرآن بمقابلہ اور کتب آسمانی کے افضل ہے کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم افضل المرسلین ہیں اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ کلام اللہ میں ایک آیت کو دوسری آیت پر افضلیت نہیں ہے تو ہم یہ جواب دیں گے کہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ سورۂ فاتحہ تمام قرآن کی آیتوں سے افضل ہے جب کہ قرآن میں بعض آیات

کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور پڑھی ہوئی نظم کی خصوصیات کے لحاظ سے متفاوت ہے[1] انہیں دونوں توجیہوں کا حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا اطلاق کبھی تو کلام لفظی پر کیا جاتا ہے جو ذات کے لحاظ سے متعدد ہے اور کبھی کلام نفسی پر اطلاق کیا جاتا ہے جو ہر جہت سے ایک ہے۔ اللہ[2] تعالیٰ کا کلام ہمارے نزدیک ایک ہے لیکن امر۔ نہی۔ خبر۔ استفہام۔ ندا۔ کی طرف بہ حسب تعلق اس کی قسمیں ہوتی ہیں۔ وہی ایک کلام ہے کسی مخصوص چیز سے متعلق ہونیکے اعتبار سے خبر ہو جاتا ہے اور دوسری چیز سے اُس کا تعلق ہو جانیکے اعتبار سے یا دوسری وجہ سے امر ہو جاتا ہے اور باقی قسموں میں یہی حال ہے۔

مشہور[3] چار کتابیں ہیں توریت حضرت موسیٰ پر انجیل حضرت عیسیٰ پر زبور حضرت داؤد پر۔ قرآنِ مجید حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئیں

(تصوّف)

زبور[4] اشارے میں اسماء افعال کی تجلیات سے مراد ہے اور

[1] حاشیہ مولا عبد الحکیم سیالکوٹی علی الخیالی المحشّا [2] شرح مواقف [3] تہذیب العقائد [4] انسان کامل جلد اول

وضو کا پہلا فرض

چہرہ دھونیکا حکم | چہرہ[1] دھونا غسل[2] بفتح غین۔ لغت میں کسی چیز سے اسپر پانی بہا کر میل دور کرنا ہے اور بضم غین تمام جسد دھونیکا نام ہے اور جس پانی سے نہاتے ہیں اُس کو بھی غسل کہتے ہیں۔ اور بکسر غین جس چیز سے سر دھوتے ہیں اُس چیز کو کہتے ہیں۔ جیسے خطمی[3] وغیرہ۔ یہاں مراد اول ہے۔ یعنی[4] بفتح غین دھونے[5] سے مراد ہے پانی بہا دینا۔ اور مسح سے مراد ہے تری پہونچانا۔ ظاہر[6] روایت کے بموجب وضو میں پانی بہانا شرط ہے۔ جب تک پانی کے قطرے نہ بہیں گے۔ وضو جائز نہ ہوگا۔ امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ وضو میں پانی کے قطروں کا بہنا شرط نہیں ہے (اس صورت میں

برف کا حکم | برف کا یہ حکم ہے۔ اگر برف سے وضو کیا اور دو قطرے لگاتار بہگئے تو بالاجماع وضو جائز ہے۔ اگر نہ بہے تو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک جائز نہیں۔ امام[7] ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے امام[8] ابو حنیفہؒ اور امام محمد کا قول صحیح ہے۔ ملنا[9] دھونے کی حقیقت میں

[1] تنویر الابصار وغیرہ [2] بحر الرائق [3] حلبی غیرہ بحر الجواہر [4] صوفی اعظم [5] ہدایہ وغیرہ [6] شرح طحاوی [7] ذخیرہ [8] کلمرا [9] فتح القدیر۔

کی فضیلت بعض پر صحیح ہو گئی تو باقی کتابوں میں مجموعی حیثیت سے یہ امر منع نہیں ہے ؎

آیاتِ الٰہی قرآنِ حکیم میں مطالب کے اوصاف کی نوعیت کے لحاظ سے قِسم قِسم کی وارد ہوئیں ہیں۔ اِن سے بعض آیتیں فکر کرنیوالی قوم کے لئے اور کچھ سمجھنے والی قوم کیلئے اور کچھ سننے والی قوم کے لئے اور کچھ ایمان والوں کیلئے اور کچھ عالموں کے لئے اور کچھ پرہیزگاروں کے لئے اور کچھ عقلمندوں کیلئے ہیں

پچھلے محققین اس طرف گئے ہیں اور یہی حق ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام جو اللہ تعالیٰ کی شان میں ہے وہ افضل ہے بہ نسبت اُس کلام کے جو غیر خدا کے لئے ہے (مثلاً) قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ؛ تَبَّتْ يَدَا اَبِي لَهَبٍ سے افضل ہے کیونکہ اس میں ذکر کی فضیلت ہے اور ذکر اللہ کا کلام ہے اور مذکور کی بھی فضیلت ہے اور مذکور اللہ کی ذات اور اُس کی توحید اور اُس کے صفاتِ ایجابی و سلبی ہیں۔ اور سورۃ تبّت میں فقط ذکر کی فضیلت ہے کیونکہ ذکر اللہ تعالیٰ کا کلام ہے ؎

لَيْسَ فِي الْقَوْلِ وَالْكَلَامِ قَبِيحٌ | اِنَّمَا الْقُبْحُ فِي الَّذِي قِيلَ عَنْهُ
قول اور کلام میں قباحت نہیں سمجھے | بلکہ محالات میں قباحت ہے

لہ موضوعات سراجیہ لہ روح البیان لہ صوفی علم لہ فتوحات شریف ؛

(اصلع[1] وہ ہے جس کے مقدم سر پر بال نہ ہوں۔ انزع وہ ہے جس کی پیشانی کے دو جانب بال سے خالی ہوں۔ اغم وہ ہے جس کے سر کے بال اتر آکر پیشانی کو تنگ کرتے ہوں۔ (اس[2] صورت میں) ہدایہ وغیرہ کی حد کے موافق۔ اَصلَعَ اور انزع کو سر کا دھونا لازم آتا ہے۔ اور اغم کو پیشانی کا دھونا لازم نہیں آتا۔ لہٰذا صاحب درمختار نے اس قول کو چھوڑا اور ابتدائے سطح پیشانی کو اختیار کیا۔ تاکہ اَغَمّ اَصلَعَ اَنزَع کو یہ حد شامل رہے۔ یعنے اغم پر پیشانی کے بال دھونا فرض ہوگا۔ اور اَصلَعَ اور انزع کو پیشانی کے اوپر دھونا لازم آئے گا[3] دونو کانوں[4] دونو لو کے مابین۔

چہرے کی حد عرض میں | عرض میں (چہرہ[5] کی حد ہے) کانوں[6] کی لو جزء چہرہ سے ملی ہوئی ہیں۔ یعنی وہ سپیدی جو داڑھی کے خط کے پیچھے ہے جس سے مَظَنَّہ ہوتا تھا کہ ان کا دھونا بھی واجب ہے۔ اس مظنے کو دفع کرنے کے لئے دونوں لو کے ساتھ چہرے کی حد بتلا دی گئی۔

آنکھوں کا حکم | آنکھوں[7] کے اندر پانی پہنچانا نہ واجب ہے نہ سنت ہے

[1] درمختار [2] غایۃ الاوطار [3] درمختار [4] مصول عظم [5] ردمحتار [6] ظہیریہ

داخل نہیں۔ یعنے[1] ملنا شرط نہیں ہے۔ مگر ملنا بہتر ہے کنز[2] مثقدار ہیں دو قطرے لگاتار ہیں۔ اصح روایت میں اس سے فرض ادا ہو گا۔ اگر دو قطروں سے کم ہو یا لگاتار نہ ہو تو فرض ادا نہ ہو گا۔ ا ھ۔

ایک بار دھونا فرض ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان فَاغْسِلُوا میں حکم تکرار کا مقتضی نہیں ہے۔ یعنی حکم خدا میں تکرار لازم نہیں ہے بلکہ دلیل خارجی سے مستفاد ہوتی ہے۔ جیسے نماز کی تکرار اس کی تکرار اوقات کی وجہ سے ہوتی ہے۔

چہرے کی حد طول میں | چہرے[3] کی حد سر کے بال جمنے کی جگہ سے ٹھوڑی کے نیچے تک ہے۔ طول میں یعنی چہرہ[4] کا طول سطح پیشانی کے سرے سے دونوں جبڑوں کے اتار تک ہے اگر اَصْلَع ہو تو اس کے سرے سے واجب نہیں بلکہ بقول اصح اس پر مسح کر لینا کافی ہے۔

طول[5] میں سطح پیشانی کے سرے سے ٹھوڑی کے نیچے تک یعنے جہاں نیچے کے دانت جمتے ہیں۔ خواہ پیشانی پر بال ہوں یا نہ ہوں وہاں کا دھونا فرض ہے۔ تاکہ اَصْلَع اور اَنْزَع اور اَغَم بھی شامل رہے۔

---

[1] صوفی اعظم [2] درمختار و مختار الصحاح [3] ہدایہ فتح القدیر [5] درمختار

وضو میں اُس کا دھونا واجب ہے ۔ طحاوی نے اپنی کتاب میں ایسا ہی
ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہی صحیح ہے اور اکثر مشائخ کا یہی مذہب ہے
لیکن[1] عورت امرد کھوے ۔ کو اُس کا دھونا بالاتفاق واجب ہے

داڑھی مونچھ بھوں کا حکم

مونچھوں[2] اور بھوں کے بال اور داڑھی کے
بال جو تھوڑی کے جڑ پر ہیں اُن کو دھوئے اور جس جگہ سے بال
جمے ہیں وہاں پانی پہنچانا واجب نہیں ۔ اگر بال تھوڑے ہوں اور
جہاں سے وہ جمے ہوں وہ جگہ کھلی ہوئی ہو تو وہاں پانی پہنچانا واجب ہے
اھ ۔ اگر[3] وضو کرنے والے کی مونچھیں لانبی ہوں اور اُس کے نیچے
پانی نہ پہنچے تو وضو جائز ہے ۔ اسی پر فتویٰ ہے ۔ اھ غسل[4] کا حکم اسکے
برخلاف ہے ۔ اھ ۔ امام[5] ابوحنیفہ کے نزدیک پاؤ داڑھی کا مسح فرض ہے
اھ ۔ اور امام[6] ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ سے مروی ہے کہ داڑھی کے ظاہر
پر پانی بہانا فرض ہے اور یہی اصح ہے[7] ۔ اور یہی صحیح ہے ۔ جو[8] بال
تھوڑی سے نیچے لٹکتے ہیں اُن کا دھونا واجب نہیں ہے ۔ کیونکہ

[1] ردمختار [2] فتاویٰ قاضی خاں [3] نصاب ح [4] مضمرات ع [5] شرح وقایہ [6] تبیین ۶
[7] زاہدی ع [8] ہدایہ و محیط ۔

پلکوں کی جڑوں اور آنکھوں کے کناروں میں پانی پہنچانے کے لئے
آنکھوں کے کھولنے اور بند کرنے کا تکلف نہ کرے۔ چہرہ دھوتے وقت
آنکھوں کو بہت زور سے بند کرنا جائز نہیں۔ آنکھیں چربی کی بنی ہوئی ہیں
سرد گرم پانی اُن کو ضرر دیتا ہے۔ اِس لئے آنکھوں کے اندر دھونا
واجب نہیں۔ آنکھوں میں نجس سُرمہ لگایا تو بھی اُس کا دھونا واجب
نہیں ناک اور منہ کے اندر دھونا واجب نہیں (بلکہ سنت ہے) آنکھ
کو یہ پر یعنی اُس گوشۂ چشم پر جو ناک سے ملا ہوا ہے پانی پہنچانا واجب ہے
اگر آنکھیں دکھتی ہوں اور چیپڑ ظاہر ہوں اور آنکھیں بند کرنے میں
وہ چیپڑ باہر رہتے ہوں تو اِن کے نیچے پانی پہونچانا واجب ہے ورنہ
واجب نہیں۔

ہونٹھ کا حکم | ہونٹھ بند کرتے وقت جس قدر کھلے رہیں وہ چہرہ میں
داخل ہیں (اِن کو دھونا واجب ہے) اور جو چھپ جائیں وہ منہ کے
ساتھ ہیں۔ یہی صحیح ہے۔

سپیدی عذار کا حکم | داڑھی کے خط اور کانوں کی لو کے بیچ میں جو سپیدی ہے

لہ عمدہ ۱۲ سلہ عمدہ رعایہ اسوا ابن ۱۲ سلہ درمختار ردالمحتار سلہ مراقی ۱۲ ھہ خلاصہ ۱۲ سلہ زاہدی ۱۲ شہ خلاصہ ۱۲ شہ وغیرہ ۱۲

ا بلحاظ اس کے کہ یہ امر حد مقرر کرنے کا چہرہ دھونے میں داخل ہے
نہیں ہے؟ دو قسم پر ہے۔

(۱) یہ کہ فرض ہے۔ (۲) یہ کہ فرض نہیں ہے

و فرض ہے وہ اللہ تعالیٰ سے حیا کرنی ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھکو وہاں
یکھے جہاں تجھکو منع کیا ہے۔ یا وہاں نہ پائے جہاں تجھکو (حاضر ہونیکا)
کم دیا ہے۔

اور جو سنت ہے (یعنی فرض نہیں ہے) وہ یہ ہے کہ تو اپنی خلوت میں
پنی شرمگاہ کھولنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے حیا کرے یعنی (نہ کھولے)
یونکہ اللہ تعالیٰ اس لائق ہے کہ تو اس سے شرمائے گو تو یہ جانتا ہو
اللہ تعالیٰ تیرا جز و جز و بال بال دیکھتا ہے۔ لیکن اس حیثیت سے
تو مکلف ہے تیرے افعال میں اللہ تعالیٰ کا وہی حکم ہے جو ہم نے
ا ہے اس پر حدیث بھی وارد ہوئی ہے۔ ایسا ہی تجھکو تیری زوجہ
شرمگاہ کو دیکھنے کی نسبت اللہ سے شرمانا چاہئے۔ اگرچہ تجھکو یہ جائز ہے
میں بھی حیا کا استعمال افضل و اعلیٰ ہے کبھی شرمانا نہیں یہ فرض ساقط ہو جاتا
ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان میں ہے ان اللہ لا یستحیی ان یضرب مثلا اللہ تعالیٰ کچھ شرماتا

[1] چہرے کے دائرہ سے خارج ہے۔ نہ اُس [2] کا دھونا واجب ہے نہ
مسح کرنا بلکہ سنت ہے۔ اھ۔ اگر [3] تھوڑی کے بالوں پر پانی بہایا پھر
وہ بال منڈھائے تو تھوڑی کا دھونا واجب نہیں۔ اسیطرح اگر مونچھیں
یا مونچھیں منڈھائیں یا سر پر مسح کیا پھر سر منڈھایا یا ناخن تراشے تو
اعادہ لازم نہیں۔ مکھی [4] مچھر کا گوہ یا مہندی کا دھونا یا اُس کے
نیچے پانی پہنچانا بہ لحاظ حرج کے واجب نہیں۔ اگرچہ یہ چہرے کے دائرہ
میں ہو کیونکہ حائل نے فرض کی جگہ اس طرح ڈھانک لی کہ دیکھنے والا
اُس کا مواجہہ نہیں کر سکتا۔ اس لئے فرض۔ حائل کی طرف محول ہو گیا
۔ اگر دھونے کی جگہ سوئی کی نوک برابر باقی رہ جائے گی تو
وضو جائز نہ ہو گا۔

تصوّف

چہرہ [5] دھونا بالاتفاق فرض ہے۔ اس میں کوئی خلاف نہیں ہے
باطن میں اس کا حکم مراقبہ اور مطلق اللہ تعالیٰ سے حیا کرنی اسطرح کہ اللہ
کے مقرر کردہ حدود سے تجاوز نہ کرے لیکن اس کا حکم باطن میں

---

[1] ردمحتار [2] درمختار [3] فتاوی قاضی خان [4] ردمحتار شرح [5] فتح القدیر [6] فتوحات مکیہ

ہو سکتے (یعنی[1] یہ چہرے گمان و خیال کرنے کی قابلیت نہیں رکھتے ہیں)
مگر انسان[2] کی حقیقت ہی گمان و خیال کرنے کی قابلیت رکھتی ہے ۔

سب حیا بہتر ہے ۔ حیا جزو ایمان ہے حیا سے بھلائی ہاتھ آتی ہے
اور جو سپیدی عذار[3] (داڑھی کے خط) اور کان کے بیچ میں ہے وہ چہرے اور کان کے
مابین حد فاصل ہے ۔ یہ وہ حد ہے جس پر انسان اپنے چہرے اور اپنی
سماعت میں عمل کرنے کے لئے مامور و مکلف ہے اور اس میں یہی
عمل ہے کہ حد محدود میں داخل کرنا چاہئے (حنفی[4] مذہب پر یہی صحیح
اور معمول بہ[5] ہے) انسان کو یہ بہتر ہے کہ اپنی حیا کو اپنی سماعت میں
صرف کرے جیسی اپنی حیا کو اپنی بصارت میں صرف کرتا ہے جیسے
محرماتِ الٰہی سے آنکھ بند کر لینا ایک قسم کی حیا ہے جس کی نسبت اللہ
تعالیٰ نے اپنے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ہے قُل
لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوا[6] مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ
(کہہ مسلمان مردوں سے اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور کہہ مسلمان
عورتوں سے کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں) اِن دونوں آیتوں کا

---

[1] صوفی اعظم [2] فتوحات مکیہ [3] عذار بالکسر فساد رخط ریش [4] مذہب [5] صوفی اعظم [6] قرآن شریف

نقعہ

نہیں کر بیان کرے کوئی مثال وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ[1] (اللہ تعالیٰ نہیں شرماتا حق بات کہنے سے)
اس موقعہ میں جو کچھ متعین ہو وہ تجھ پر فرض ہو جاتا ہے اور جو متعین نہ ہو
وہ سنت یا مستحب ہو جاتا ہے - چاہے اِس کو کر - بہتر ہے - اگر چاہے
نہ کر - انسان کو لازم ہے کہ ظاہر و باطن میں اپنے افعال پر کرنے
یا نہ کرنے میں مراقبہ کرتا رہے - اور اپنے رب کے آثار اپنے دل میں
دیکھتا رہے - کیونکہ دل کا چہرہ معتبر ہوتا ہے - انسان اور ہر چیز کی وجہ
(یعنی چہرہ) اُس کی حقیقت اور اُس کی ذات اور اُس کا عین (یعنی خلاصہ)
ہوتا ہے (جیسے) کہتے ہیں - وَجْهُ الشَّيْئِ - وَجْهُ الْمَسْئَلَةِ - وَجْهُ الْحُكْمِ
اور اس وجہ سے معنی کی حقیقت اور اس کا عین اور اُس کی ذات
مراد لیتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ وَ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ
بَاسِرَةٌ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ[2] (کتنے ہی چہرے اُس دن تر و تازہ اپنے
پروردگار کی جانب دیکھ رہے ہوں گے اور کتنے ہی چہرے اُس دن
اُداس ہوں گے یہ خیال کرتے کہ ان پر کمر توڑ سختی کیجائے گی)
جو چہرے[3] کہ انسان کے سامنے ہیں وہ ظن و گمان سے موصوف نہیں ہیں

---

۱ قرآن شریف پ ۲۲/۴ ۲ قرآن شریف پ ۲۹/۱۷ ۳ فتوحات مکیہ ؛

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ { سب تعریف اللہ کو ہی زیبا ہے

شیخ عبدالغنی حنفی قادری نابلسی[1] فرماتے ہیں کہ بسم اللہ میں جو حقیقت تابع اور متبوع کی کہی گئی ہے وہی حقیقت الحمد للہ میں ہے جس کی طرف خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری روایت میں اشارہ فرمایا ہے کُلُّ اَمْرٍ ذِیْ بَالٍ لَمْ یُبْدَءْ فِیْہِ بِالْحَمْدُ لِلّٰہِ فَھُوَ اَقْطَعُ (ہر ہونہار کام اگر الحمد سے شروع نہ کیا جائے تو وہ ادھورا ہے۔ چونکہ بسم اللہ سے نعمت کا وجود اور الحمد للہ سے نعمت کی بقا ہے۔ اس لئے جس سے وجود ہے اسکو جس سے بقا ہے اس پر مقدم کیا۔ اس کا یہ بیان ہے کہ جو شئی عدم سے وجود میں آئی ہے وہ اللہ کے کسی ایک اسم صفت سے وجود میں آئی ہے۔ اس لئے شئی کا باطن اسم ہے اور اسم کا ظاہر شئی ہے جیسے صفت اسم کا باطن ہو اور اسم صفت کا ظاہر ہے اور ذات صفت کا باطن ہے اور صفت ذات کا ظاہر ہے۔ ہر شئی کی بقا اس وقت تک ہی رہے گی جب تک کہ معلوم نہ کرا اشال اس کی مدد کرتا رہے۔ اللہ تعالیٰ نے آیت سابقہ میں فرمایا ہے۔ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَۃٌ کَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ (ہمارا امر ایک ہی ہے پلک جھپکنے کی مانند) اور ہر شئی اللہ

[1] جواہر التصوف

کیا کہ بطور براعت استہلال اپنے مطلب پر کھلی دلیل ہو۔

علمائے بیع[1] کے ہاں براعت استہلال وہ صنعت ہے کہ کتاب یا قصیدے کی ابتدا میں ایسے چند الفاظ ذکر کریں جن سے مطلب پر شعور ہو۔

شیخ[2] بالی افندی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شیخ اکبر کے قلب پر حکمتیں اتاری ہیں یہ اتارنا انبیاء علیہم السلام کے دلوں پر حکمتیں اتارنے کے سبب سے ہے اس لئے شیخ اکبر نے انبیاء علیہم السلام کے دلوں پر حکمتیں اتارنے کے ساتھ حمد کو خاص کیا۔ کیونکہ یہ اس کی نسبت کرتے اکمل کمالات اور کمالات کے اعظم قدر و منزلت کا مطلع ہے۔ لہٰذا ان کی ابتداء کتاب میں انزال حکم کے ساتھ حمد کی تخصیص واجب ہے۔

امام[3] قیصری کہتے ہیں کہ شیخ اکبر کا ارشاد (الحمد للہ) اوا سے لب کا آغاز ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا سب بندوں پر واجب ہوا ایسے ہوا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی تعلیم کے لئے اپنا فرمان اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اپنی کتاب پاک کا صدر بنایا۔ چونکہ حمد و ثنا اعلیٰ درجے کے کمال پر ہے اور کمال اللہ تعالیٰ سے اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہے۔ اس لئے حمد اللہ تعالیٰ کیواسطے ہی خاص ہوئی۔ حمد تین قسم پر ہے (۱) قولی (۲) فعلی (۳) حالی

[1] لمعات اللغات [2] شرح فصوص لبالی [3] فصوص الکلم۔

کے امر سے قایم ہے اور ہر شئے پلک مارنیکے مانند ہے۔ اور وجود شئی کی تکرار سی
شئے کے وجود اول پر زیادتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَئِن شَکَرۡتُمۡ لَاَزِیۡدَنَّکُمۡ
تم شکر کرو تو میں تم کو زیادہ دونگا اصطلاح میں شکر حمد ہے۔ بسم اللہ سے وجود
ظاہر ہوا اور الحمد للہ سے باقی رہا (الحمد للہ) مولانا عبد الرحمٰن جامی نقشبندی
کہتے ہیں کہ حمد محمود کے کمال کا اظہار ہے۔ کیونکہ مقام جمع یا فرق میں اللہ تعالیٰ
کیلئے ہی کمال ہے ایسا ہی مقام جمع اور فرق میں کمال کا مظہر اللہ تعالیٰ ہی ہے
حمد کی غیب یعنی جب مظاہر ظاہر میں فنا کر کے جمع کی آنکھ سے دیکھیں اس کے ہر فرد
میں ظاہر کو مظاہر میں نورانی کر کے تفرقے کی آنکھ سے دیکھیں تو حمد کی حقیقت مطلقہ
ہر حامدیت اور محمودیت کی شامل ہے اور حمد کی ہر فرد کو جمع الجمع کی آنکھ سے دیکھیں تو
خالص (للہ) اللہ تعالیٰ کیلئے ہی ہے یعنی اس ذات کیلئے ہے جو جملہ نعتوں سے
مطلق ومجرد ہو یہانتک کہ نسبت اطلاق سے بھی منزہ ہو ہر مرتبے میں وہی حامد ہے
اور ہر فضیلت و منقبت سے وہی محمود ہے اس کے سوا کوئی حامد نہیں اسکے سوا کوئی محمود
نہیں۔ امام قاشانی کہتے ہیں کہ شیخ اکبرؒ نے اللہ تعالیٰ کی حمد اس نعمت پر کی ہے کہ اللہ تعالیٰ
نے ان کو انبیاء علیہم السلام کے دلوں پر اتری ہوئی حکمتوں کی معرفت دی جنکو شیخ اکبر
نے اپنی کتاب فصوص میں بیان کیا ہے۔ سو اسطرح شیخ اکبرؒ نے اسطرح اللہ تعالیٰ کا وصف

۱۔ لمعات جامی شرح فصوص الحکم للقاشانی ۔ کشف الفصوص

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۲ | [illegible]

ساقیا آ ساقیا آ ساقیا | تیرے صدقے تیرے قربان آ
ایّها السّاقی اَدِر کاس الوصال | اِسقنا ثمّ اسقنا صافی الجمال
شیشۂ شکلِ الف سے لے شراب | لب کے نقطے کی پیالی بھر شتاب
اپنے نازک ہاتھ سے مجھ کو پلا | اسقاهم ربّهم کا ہو مزا
بادۂ علمِ لدن سے ہو کے مست | کھول دوں رازِ بلیٰ بالست
قائل و سامع کو ملے ربّ انام | کیف مے کی کیفیت ہیں کر مدام
از طفیلِ حضرتِ خیر البشر | وز پئے بوبکر و عثمان و عمر
از برائے حضرتِ مشکل کشا | وز پئے حسنین سبطِ مصطفیٰ
از برائے آل و اصحابِ رسول | از برائے فاطمہ زہرا بتول
از برائے حضرتِ پیرانِ پیر | از برائے شیخ اکبر بے نظیر
از برائے مولویِ معنوی | از برائے پیر حبیبا و علی
از برائے جملہ پیرانِ صفا | یا الٰہی سن لے صوفی کی دعا

سلہ قرآن پاک [illegible]

تصوف

قولی حمد وہ ہے کہ جن اوصاف سے اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام
کی زبانوں پر اپنی ذات کی حمد و ثنا کی ہے اُن اوصاف کے ساتھ اللہ تعالیٰ
کی حمد و ثنا زبان سے کیجائے فعلی وہ ہے کہ بندے خالص اللہ تعالیٰ کے واسطے اللہ تعالیٰ
کی جناب پاک میں متوجہ ہو کر عبادات اور خیرات وغیرہ بدنی اعمال کریں کیونکہ
انسان پر جیسے زبان سے حمد کرنا واجب ہے ایسے ہی اُس پر ہر عضو کے لحاظ سے بلکہ
ہر عضو و افعال کے ہر حال میں حمد واجب ہے جس طرح شکر واجب ہے۔ اسی واسطے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح حمد کرتے تھے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ ہر حال پر
اللہ کا شکر ہے ایسی حمد ممکن نہیں ہے جب تک ہر عضو اللہ تعالیٰ کی عبادت
اور اُس کے حکم کی اطاعت میں شریعت کے مطابق جس کام کے لئے پیدا
کیا گیا ہے اُسی کام میں نہ استعمال کیا جائے۔ اگر حظوظ نفسانی اور لذات
جسمانی کی طلب میں ہو تو وہ خدا کی حمد ہی نہ ہوگی۔ حالی وہ حمد ہے کہ روح
اور قلب علمی اور عملی کمالات سے موصوف ہوں اور اخلاق الٰہی سے متخلق ہوں چونکہ آدمی
اپنی ذات اور نفس کے کمالات میں قاصر ہونیکے باعث انبیاء علیہم السلام کی زبان سے
متجلی ہونے پر مامور ہیں درحقیقت خدا کی ہی ذاتی حمد ہے مقام تفصیل میں جسکو مظاہر
کہتے ہیں کیونکہ یہ حمد بھی مظاہر خدا کے غیر نہیں ہیں ۞

اسمائے الٰہی وجودِ عالم کا سبب ہیں۔ اور عالم پر مسلط و مؤثر ہیں۔ اس لئے ہمارے نزدیک "بسم اللہ الرحمن الرحیم" ابتدائے عنصر کی خبر ہے اور وہ عالم کی ابتداء اور اس کا ظہور ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے عالم کا ظہور بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے یعنی بسم اللہ الرحمن الرحیم سے عالم کا ظہور ہوا۔ یہ تین نام مخصوص ہیں (۱) اللہ کل اسما کا جامع نام ہے (۲) رحمٰن عام صفت ہے دنیا و آخرت میں عام رحم کرنیوالا ہے اسی سے دنیا میں ہر چیز پر رحم کیا ہے۔ (۳) رحیم۔ چونکہ آخرت میں رحمت سعادت سے مخصوص ہوگی۔ دنیا میں تو ملی جلی ہے۔ عالمِ شہادت میں کافر پیدا ہوتا ہے یعنی نشو و نما پاتا ہے اور مومن مرتا ہے (یعنی حالتِ ایمان میں مرتا ہے) یا برعکس اس لئے نام رحیم آخرت میں مومن سے ہی مخصوص رہیگا۔ اِن تین ناموں سے عالم تمام ہوگیا۔ بحالتِ اجمال اسم اللہ ہیں۔ بحالتِ تفصیل۔ رحمٰن اور رحیم۔ بیا بے سے وجود ظاہر ہوا نقطے سے عابد معبود متمیز ہوا شبلیؒ سے کہا گیا کہ آپ شبلی ہیں۔ فرمایا میں وہ نقطہ ہوں جو بے کے نیچے ہے۔ یہی ہمارا کہنا ہے کہ نقطہ تمیز کرنے والا ہے اور یہی عبد کا وجود ہے عبودیت کی حقیقت اسی کی مقتضی ہے ؂

	تسمیہ آمدہ پئے ما ہم چو کن		اسلمؔ گر خبر داری تو از سرّ لدن

ازز حاشیہ عبداللطیف صوفی اعظم ۔۔۔ ۲۰۰۵ء

بسم اللہ الخ تمام قرآن کی ایک آیت[1] ہے سورتوں میں جدا کرنے کے لئے اتری ہے
شامی[2] نے فرمایا سورۂ فاتحہ کے شروع میں تبرک کیلئے مذکور ہے ؛

دو جہاں کا ہے بیاں قرآن میں
شک نہیں سب ہی بیان قرآن میں

اور قرآن فاتحہ میں ہے سنو
آیتیں منزل سات آیت ہیں کہو

سر کے بل الٹے چلو اس راہ میں
فاتحہ پوری ہے بسم اللہ میں

اور بسم اللہ پوری جانِ من
بائے بسم اللہ میں ہے یہ سخن

بھید بے کا کیا کوئی کیا ہے بیاں
بے کے نقطے میں ہے سب کا نشاں

دیکھئے سر نامۂ قرآں اگر
پوری بسم اللہ ہے باکر و فر

بے سے بسم اللہ کا آغاز ہے
بے میں بسم اللہ کا سب راز ہے

بے سے قرآں کی ہوئی ہے ابتدا
مثنوی میں ہے اسی کی اقتدا

عین قرآں مثنوی ہے جان لو
ایک ہیں کہنے کو دو ہیں مان لو

وہ ہے تازی اور یہ ہے پہلوی
وہ مثانی ہے تو یہ ہے مثنوی

بائے بشنو بائے بسم اللہ ملا
صدقِ مولانا مفسر نے یوں کہا

بشنو از نے[3] چوں حکایت می کند
وز جدائی ہا شکایت می کند

سن تو نے سے کیا حکایت کرتی ہے
اور جدائی سے شکایت کرتی ہے

[1] نسائی [2] رد المحتار [3] مثنوی شریف

نظر ثانی

بیان کل زمانہ اول سے آخر تک کتنا ہے

زمانے کے اول و آخر کی تشریح بزبان نثر | گنتی زمانہ اول کی ہر گنتی

ہماری گنتی کے لحاظ سے جب (عالم طبعی کی عمر سے) چون ہزار برس
کی مدت گزری اللہ تعالیٰ نے دنیا پیدا کی (یعنی جمادات نباتات
حیوانات) اور جب اس فلک کی حرکتوں سے بلحاظ ہماری گنتی
(عالم طبعی کی عمر سے) تریسٹھ ہزار برس گزر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے دار
آخرت کو پیدا کیا (یعنی بہشت و دوزخ وغیرہ) دنیا و آخرت کی پیدائش
میں نو ہزار برس کا فاصلہ ہے دنیا اول پیدا ہوئی اس لئے اس کا
نام اولیٰ رکھا گیا اور آخرت آخر میں پیدا ہوئی اس لئے اس کا
نام آخرت رکھا گیا یہی بات ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے
وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخرت
تیرے لئے بہتر ہے دنیا سے) دنیا کی عمر ستر ہزار اور آخرت
کی دائمی عمر ہے جس کی انتہا نہیں آٹھ ہزار برس گزرنے کے بعد اللہ تعالیٰ

لہ نوٹ سال سے کبیسہ سال مراد ہے

درمیان عابد و معبود خود — فرق پیدا جز بہ یک نقطہ نشد

چوں الف پوشیدہ شد در کل با — بسم پیدا آمد اے جان ابا

چوں الف پیدا شود از صفات — فانی مطلق شود این کائنات

بومدین مغربی رح فرماتے تھے ہیں نے جو چیز دیکھی اس پر پہلے لکھا دیکھا مقام جمع
اور وجود میں حضرت حق تعالیٰ ہی موجودات کے لئے یہ معائنت کا ہی یعنی
مجھ سے ہر چیز قائم اور ظاہر ہوئی ہے۔

دونوں عالم کا خدا سے ہے ظہور — دونوں عالم ہیں خدا کا خاص نور

ساتھ تیرے ہے خدا تو ہی جہاں — جان ہے جس جا وہیں ہے جان جاں

ذات ہے جس کی نہ ہو اسکا وجود — اس کی ہستی ہیں کہاں اسکی نمود

ایک نقطے کی سمجھ نے کر دیا — عبد کو معبود سے بالکل جدا

فرق آیا جب مقام جمع میں — جل گیا پروانہ عشق شمع میں

گل پہ بلبل نالہ زن ہے بیقرار — سرو پہ قمری ہے سو جاں سے نثار

عشق میں صوفی جہاں ہے نعرہ زن — سچ ہے مولانا معز کا یہ سخن

بشنو از نے چوں حکایت میکند — وز جدائی ہا شکایت می کند

سن تو نے سے کیا حکایت کرتی ہے — اور جدائی سے شکایت کرتی ہے

لہ فوٹو خانہ سرکار — تصوف

نے آدم علیہ السلام کی غذا کی ایجاد فرمائی۔

آدم علیہ السلام سے سنہ ہجری صلی اللہ علیہ وسلم تک کی مدت

اس میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے ابن عباس نے بروایت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرمایا ہے کہ سات ہزار برس ہیں اور شیخ اکبر[1] نے بروایت ابن عباس پانچ ہزار پانچسو چھہتر برس فرمایا ہے۔ وہب ابن منبہ نے فرمایا چھ ہزار برس۔ ابو جعفر نے کہا اس سے صحیح وہ روایت ہے جس کی صحت پر وہ حدیث دلالت کرتی ہے جو ابن عمر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری مدت گزشتہ امتوں کی مدت کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے نماز عصر سے غروب آفتاب تک۔ ہے اور اسی طرح ابو سعید رضی اللہ عنہ نے بھی اسی معنی کے مانند بیان کیا۔ ہے مگر انہوں نے غروب آفتاب تک اور نماز عصر کے عوض بعد عصر کہا ہے اور ابو ہریرہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمے کی انگلی اور بیچ کی انگلی کا اشارہ کرکے فرمایا کہ میں اور قیامت

---

[1] تاریخ کامل [2] سامرات [3] ایضاً

مدت کا اندازہ کیومرث بادشاہ سے ہجرت تک تین ہزار ایک سو
انچالیس برس کا ہے اور مجوس اس کے ساتھ کسی چیز کا بھی ذکر نہیں
کرتے جس کا ہونا کیومرث سے پہلے پہچانا جاتا ہو اور یہ کہتے ہیں
کہ کیومرث ہی آدم ہے اور اہل تاریخ اس میں مختلف ہیں کوئی تو مجوس کے
موافق کہتا ہے اور کوئی کہتا ہے کہ جب وہ ساتوں اقلیم کا بادشاہ
ہو گیا تو اس کو آدم کہنے لگے تھے اور وہ حام بن یافث بن نوح تھا اور
نوح کے ساتھ بھلائی کرنے والا تھا اس لئے انھوں نے اس کو اور اس کی
اولاد کو دعا دی کہ ان کی عمریں بڑی ہوں اور شہروں میں تمکنت ہو
اور ملک کا سلسلہ برابر رہے۔ یہ دعا اس کے لئے مقبول ہوئی۔ کیومرث
اور اس کی اولاد ملک فارس کی مالک ہوئی اور ملک ان کے قبضہ
میں مدام اس وقت تک رہا کہ مسلمان مدائن میں داخل ہوئے اور
ان کے ملک پر غالب آئے اور کوئی اس کے خلاف کہتا ہے ایسا ہی
ابو جعفر نے شیبانی سے روایت کی ہے اس کے بعد ابو جعفر نے کچھ
اصول بیان کئے ہیں جو ان باتوں کے ثبوت پر دلیل ہیں۔

(۱) حدوث انسان و اوقات ۔ (۲) آیا اللہ تعالیٰ نے زمانہ پیدا

بیالیس برس کا ہے اور شیخ اکبر[1] رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں چار ہزار چھ سو بیالیس برس ہیں محمد بن جریر طبری[2] نے ایک جگہ بقول علماء یہود چار ہزار برس تین مہینے کہا ہے

یونانی نصاریٰ [illegible] دیگر [illegible] با صبیہ کی مدت

یونانی نصاریٰ[3] کہتے ہیں آدم کی پیدائش سے ہجرت تک [illegible] پانچ ہزار نو سو بانوے برس ایک مہینہ [illegible] ہوتا کسی نے نجم سے کہدیا ہے یہودیوں نے کچھ برس اس لئے کم کردئے ہیں کہ عیسیٰ کی نبوت [illegible] سے دور ہو جائے کیونکہ ان کی صفت اور ان کی [illegible] کی جگہ توریت میں لکھی ہوئی تھی۔ اور یہودی کہتے ہیں [illegible] وقت ابھی نہیں آیا جو توراۃ میں لکھا ہے جس میں عیسیٰ پیدا ہوا سکے۔ اس لئے یہودی اپنے خیال میں عیسیٰ علیہ السلام کے انتظار میں رہی ہیں۔ ابو جعفر نے کما فی کہا ہے کہ جس کا وہ انتظار کرتے ہیں اور جس کی صفت توریت میں ہم کہتے ہیں وہ دجال ہے شیخ اکبر نے[4] پانچ ہزار سات سو بہتر برس اور چند مہینے نقل فرماتے ہیں

مجوس کے نزدیک زمانہ کی مدت اور کیومرث کا آدم ہونا

مجوس کہتے ہیں زمانہ کی

[1] مسامرات [2] سابعا مر [3] تاریخ کامل [4] محاضرۃ الاخیار [5] ابن اثیر

کرنے کے پہلے کوئی چیز پیدا کی تھی یا نہیں (۳) عالم فنا ہوگا۔
(۴) سوائے اللہ کے کوئی باقی نہ رہے گا (۵) اللہ نے [illegible]
چیزیں پیدا کی ہیں اور اس نے ہر ایک چیز [illegible]
ذکر باعث طوالت ہے اور یہ باتیں تاریخ [illegible]
نہیں ہیں خصوصاً تاریخوں کی مختصر کتابوں میں [illegible]
بیان کرنا اولی ہے ان باتوں کو متکلمین نے اپنی کتابوں [illegible]
بیان کر دیا ہے اس لئے ہم نے اُن کا ترک کرنا ہی بہتر [illegible]
شیخ اکبر رضی اللہ عنہ نے چار ہزار ایک سو بیاسی [illegible]
نقل فرمائے ہیں۔

زیجان والوں کے نزدیک ماضیہ کی مدت

اصحاب زیجان کے پاس زمانہ کی تاریخ اُن کے مدلل دعووں میں طوفان سے صحیح ہوتی ہے اور زیجان والے آدم کی حدیث پر جس کو انبیاء علیہم السلام نے بیان فرمایا ہے ایمان نہیں رکھتے ہیں اُنھوں نے کہا ہے ابتداء طوفان سے ہجرت کے پہلے دن تک تین ہزار سات سو پچیس برس تین سو انچاس دن فارسی کی مدت ہے۔

گرم پانی میں رکھنا ۔ تھوڑا آہستہ چلنا ۔ نفاخ[1] ۔ بخار انگیز ۔ دیر ہضم
غذا سے گریز کرنا اس شخص کو بہت مفید ہے جو اپنا درد سر جلد جانا اور نہ
لوٹ آنا چاہتا ہو ۔ شیخ[2] کہتا ہے ۔ ہم نے درد سر والے کے ہاتھ پاؤں پر گرم
پانی ڈالا اور اس پر مداومت کی تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ درد سر سر سے
ہاتھ پاؤں کی طرف اُتر رہا ہے ۔ اترتے اترتے کھل رہا ہے[3] ہم نے بعض بعض
جگہ دیکھا کہ پاشویہ سے درد سر جاتا رہا اور آخر سے اترنے کے باعث پاؤں
میں درد ہو گیا ادا ۔ یہ کہا ہے کہ چھلیہ سر پر سر پھر باندھنا باخاصہ درد سر کا
مسکن ہے ۔ ایسے ہی مردار کی کنپٹی کی ہڈی ۔ چوہے کا سر ۔ لومڑی کا
پٹھا ۔ ہُد ہُد کے گھونسلے کا چمڑا[4] ۔ سر سے باندھ کے لٹکانا مفید ہے ۔ اسیطرح
حل کئے ہوئے موتی یا پوست خشخاش کی ناس ۔ کپور کچری سے پاؤں
ملنا سر منڈھا کر مہندی کی ٹکیہ لگانا ۔ حب شفا کھانا لگانا مفید ہے ۔ بیگن کھانا
باخاصیت درد سر کو دفع کرتا ہے ۔ جاننا چاہئے[5] کہ کبھی غذائیں درد سر والوں کے
موافق نہیں ہیں خصوصاً[6] سرکہ ۔ مگر جس کا درد سر معدہ کی شرکت سے
ہو اور غذا فم معدہ کو دباغت دینے والی اور اس کو قوت دینے والی

---

۱ معالجہ الی ۲ قانون ۳ اکسیر اعظم ۴ حجیہ ہونا ۔ خبر واحد میں ۵ واول ۶ محمد ۷ واول ۔

پاؤں کو باندھنا۔ پنڈلیوں پر سینگیاں لگانا۔ یہ بدرجہ نہایت[5] تنقیہ کرتا
گرم[3] پانی میں ہاتھ پاؤں رکھنا تنقیہ[4] کو قوی کرتا واجب ہے (اور دوا[6] ان
جیسے منقی[8] سونف وغیرہ) حقنی[7] کرنا چاہیے اور اس سے سر کے اطراف سے
مادے کو خارج کرے درد سر کا مادہ نیچے کی طرف جذب کرنے میں
اور درد سر کے بچھے رہنے میں زوردار چیزوں سے ہے۔ یہ چیز ہے دونوں پاؤں
ملنا ایسے کہ بیمار کو آرام ہو۔ بسا اوقات اس سے بیمار کو نیند آجاتی ہے
پاؤں اچھی طرح ملتے رہیں یہاں تک کہ درد سر کم ہو جاتا ہے۔ جب اگر طلی
اور ضماد استعمال کرنا چاہو اور مرض پرانا ہو خواہ گرم ہو یا سرد تو پہلے
سر منڈھا کر دوا لگانی واجب ہے کیونکہ سر منڈھانا دوا کی قوت سر میں
نفوذ کرنے پر بڑا مددگار ہے۔ اس پر یہ چیز بھی مدد دینے والی ہے کہ
آلو پر گندھے آٹے یا کپڑے سے گرد باندھیں تاکہ پتلی چیزیں جو سر پر
ڈالی جائیں بہ جانے سے رکے رہیں اور اُن کو دماغ پورا جذب کرلے
اور اُن کی قوت کو ہوا فوراً سلب نہ کرلے۔ فلیغریوس[8] نے کہا ہے کہ
رگ پیشانی کی فصد سر کے پیچھے سینگیاں کھچانا ہاتھ پاؤں کو ملنا۔ ہاتھ پاؤں

---

[1] حاوی [2] اکسیر اعظم [3] حاوی [4] محیط [5] صوفی اعظم [6] حاوی [7] حاوی [8] حکیم کا نام ہے۔

مانند سرد اور تری بڑھانے والی چیزیں استعمال نہ کرنی چاہئیں۔ آنکھ
استفراغ اور پاؤں کا باندھنا۔ ہاتھ پاؤں ملنا ہاتھ پاؤں گرم پانی میں
رکھنا ایسی ہی چیزوں کی طرف توجہ چاہیے یعنی ٹیس والا درد سر
گرم سرد ورم کے ساتھ ہوتا ہے یہ درد ایسا ہوتا ہے گویا رگیں
چھڑکتی ہیں۔ اگر سبب گرم ہو تو ٹھنڈی چیزیں استعمال کریں جن میں
کشش ہو (ٹھنڈی چیزیں) یعنی نرم پاخانہ لانے کا عمل ہو جیسے آلو بخارا وغیرہ)
پنڈلیوں پر سینگیاں کنپٹیوں پر جونکیں لگانی ہاتھ پاؤں باندھنا چاہیے
اگر سبب سرد ہو تو ایسی چیزوں کی طرف مائل ہونا چاہیے جو مادہ کو
پراگندہ اور تحلیل کر دیں اور اس میں ایسی چیزیں ملانی چاہیں جو قوت
اور ذرا سی سردی ہو۔ جیسے روغن گل۔ سداب یا پودینہ کے ساتھ
ملا دیں جب ایسا درد شدید ہو جاتا ہے حتی کہ بچوں میں ان کی تالو کی
ہڈیاں پھٹنے کی نوبت پہنچتی ہے تو اس کا عمدہ علاج یہ ہے کہ سر کو اور
پانی سے سرد ہونے کے بعد پسی ہلدی سرکہ روغن گل میں ملا کر لگائیں
جب قوی محلل دوا استعمال کئے جائیں تو ضعیف سے قوی کی طرف
بتدریج ترقی کی جائے مخدرات (مثل افیون اور اس کے مانند) حتی المقدور

اور اس کی طرف صفرے کی پلک روکنے والی ہو تو (مضایقہ نہیں) اگر کھانسی اور آواز بیٹھی ہو تو مناسب نہیں۔ جالینوس[1] نے کہا ہے اگر دفعۃً شدت درد سر میں آواز بیٹھ جائے تو[2] گرم پانی سر پر ڈالنا۔ گرم درد سر میں روغن گل و کان میں ٹپکانا۔ اسی وقت آواز کھول دیتا ہے سرد درد سر میں روغن بابونہ ٹپکانا جب[3] پرانے درد سر کے ساتھ ایذا دینے والا درد ہو تو فوراً اس کا علاج کرو کیونکہ اکثر یہ عرض[4] اصل مرض کی زیادتی کا سبب ہو جاتا ہے۔ جیسی بےخوابی جب درد سر کی وجہ سے ہو کر شدید ہو جائے تو درد سر کی زیادتی کا سبب ہوتی ہے تو روغن کدو روغن بنفشہ روغن نیلوفر۔ دودھ وغیرہ کافور سے ملا کر استعمال کرنا پڑتا ہے۔ بسا اوقات ذرا مخدر۔ افیون وغیرہ دیگر منوّم لانے کی احتیاج ہوتی ہے۔ جالینوس نے کہا ہے کہ درد سر کے ساتھ قولنج ہو تو مخدرات سے احتراز کرنا چاہئے۔ کیونکہ درد سر مہلک نہیں ہے۔ اور قولنج ہلاک کرنیوالا ہے اگر درد سر کے ساتھ نزلہ ہو تو۔ سر کی تبرید و تیر طیب کی طرف مائل نہ ہونا چاہئے یعنی روغن دار نطول۔ ضماد۔ اور ان کے

[1] مقصد [2] اکبر اعظم [3] قانون [4] اکبر اعظم

مواعظ

حضرت[1] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "دنیا سے عمدہ چیز کافی ہیں وفاداری سچائی۔ اختیار کر ظلم وجفا چھوڑ۔"

حضرت[2] ابوبکر صدیق رض نے فرمایا بڑی سے بڑی دانائی پرہیزگاری ہے بڑی سے بڑی سچائی امانت ہے۔ بڑی سے بڑی جھوٹ خیانت ہے۔

حضرت[3] عمر رض نے فرمایا دنیا کی عزت مال سے ہے۔ آخرت کی عزت نیک اعمال سے ہے۔

حضرت[4] عثمان رض نے فرمایا۔ "دنیا کا غم کھانا دل کی تاریکی ہے۔ آخرت کا غم کھانا دل کی روشنی ہے۔"

آقا نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی ظرافت

ایک[5] وقت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رض کھجوریں کھا رہے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی گٹھلیاں امیرالمومنین رض کی گٹھلیوں پر ڈال دیں پھر فرمایا اے علی تم نے مجھ سے زیادہ کھائے ہیں علی رض نے عرض کی آپ نے حضور کی طرح کھجور گٹھلیوں سمیت نہیں کھائے ہیں۔

---

[1] کنز المدون [2] نور الابصار [3] ... [4] ... عسقلانی [5] سیرۃ النبی

استعمال نہ کرنا چاہیے (مگر اشدِ[1] ضرورت میں حسبِ قانون استعمال مخدرات[1]

قے[2] درد سر کے علاجات سے نہیں ہے لیکن معدہ کی مشارکت سے

ہو تو خلط ردی[3] یا فاسد غذا اخراج کرنے کے لئے مفید ہے اگر درد[4] سر

مؤخر سر میں ہو اور اس کے ساتھ بخار نہ ہو تو اس کا علاج یہ ہے کہ اول

بہ قدر قوت جوشاندہ سے استفراغ کرنا بعد فصد جس کے سر میں پھرتا درد ہو

اور سردی سے تسکین پاتا ہو۔ شاید اس کے لئے فصد ضروری ہے پاؤں یا

تاکہ درد کی مداومت سر کی طرف فضلات جذب نہ کرے۔ درد سر والے

کے لئے وہی روغنِ گل استعمال کرنا چاہیے جو اس طرح بنا ہو۔ گل سرخ تیل میں

ڈال کر دھوپ میں رکھیں اور مکرر بدلیں اور اس پر ایک سال[5] گزرا ہو۔

نہ ایسا کہ پھول۔ پانی۔ تیل۔ ملا کر آگ پر پکا لیں اگر تبرید و تلطیف مراد ہو

ہو تو ایسے ہی روغنِ نیلوفر اور روغنِ بنفشہ اور دوسرے روغن استعمال کریں

---

۱ مختصر ۲ قانون ۳ مختصر ۴ قانون ۵ مختصر

فتاویٰ

سوال مسجد میں بھیک مانگنے اور بھیک دینے کا کیا حکم ہے المستفتی ۲۹ھ

جواب نشان ؏ مسجد میں سوال کرنا (بھیک مانگنا) حرام ہے اور مسجد میں سائل (فقیر) کو دینا ہر حال میں مکروہ ہے اور بعض نے کہا کہ اگر سائل لوگوں کی گردنوں پر پھلانگے تو مکروہ ہے ورنہ مکروہ نہیں چنانچہ غایۃ الاوطار اور درمختار صـ۶۲۳ میں ہے شارح نے باب الحظر والاباحۃ میں اسی پچھلے قول پر اکتفا کیا ہے چنانچہ کہا ہے کہ مسجد میں بھیک مانگنے والے کو خیرات دینا مکروہ ہے مگر جس وقت کہ وہ لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگے۔ قول مختار میں آس لئے کہ حضرت علی رض نے اپنی انگوٹھی نماز کے اندر دی اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف اس آیۃ میں کی (وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ) یعنی خیرات دیتے ہیں اس وقت میں کہ وہ رکوع کرتے ہوں چنانچہ طحطاوی اور ردمختار میں ہے

المجیب شاہ ابوالخیر احمد علی صوفی الصفی القادری مہتمم دارالافتا صوفیہ حیدرآباد دکن

معذرت ناظرین گنجائش نہ ہونیکے باعث اوفتوے درج نہو سکے ۲۹ھ

لہ درمختار و طحطاوی و ردمختار و غایۃ الاوطار

عملیات

سانپ بچھو سے حفاظت کا عمل | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی بوقت شام (اَعُوذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّۃِ مِنْ کُلِّ عَیْنٍ لَامَّۃٍ وَمِنْ کُلِّ شَیْطَانٍ وَہَامَّۃٍ) پڑھ لے اس کو نظر بد سانپ بچھو ضرر نہ دیں گے۔

دارین میں محتاج نہ ہونے کی تدبیر | اَلْعَزِیْزُ[2] جو کوئی اس اسم مبارک کو چالیس روز صبح کی نماز کے بعد اکتالیس بار پڑھا کرے وہ دنیا و عقبیٰ میں کسی کا محتاج نہ ہوگا۔

صحابہ وغیرہم میں عیدین کی مبارکباد | تَقَبَّلَ اللّٰہُ مِنَّا وَمِنْکَ[3]

ترقی عمر کا گر

اللہ[4] تعالیٰ سے ڈرنا صلہ رحمی حسن اخلاق کسی کے بھی ساتھ نیکی کرنا۔

حکمت کی مجربات

دودھ مچھلی[5] اور سرکہ دودھ اور میوہ۔ دودھ اور لہسن پیاز اور دو گرم چیزوں کے اور دو سرد چیزوں کے اور دو نفخ پیدا کرنے والی چیزوں کے جمع کرنے کو آنحضرت صلعم نے منع فرمایا ہے۔

آنکھ[6] میں سرمہ لگانا (خصوصاً سونے کے پہلے) ہری دیکھنا۔ خوبصورت کو دیکھنا قوت باصرہ کو زیادہ کرتا ہے۔

۱؎ کر۔ ۲؎ علاج الاعظم ۳؎ حصن، شمائل السیوطی ۴؎ جامع صغیر ۵؎ کنز المدفون ۶؎ جامع ص ۵۰

ولہ

ہاں کیا ہوا سایہ اگر ذات نہ ہوئی
تکرار سے کیا چاند کی کرامات ہوئی
دن رات تھا جلوۂ خدا پیش نظر
معراج ہوئی تو کیا نئی بات ہوئی

حاجی حافظ قاری واعظ مولانا مولوی شاہ محمد عمر قادری مشائخ و خطیب حیدرآبادی[1]

آپ مصحف سے موصوف جدا ہوتا ہے
قرآن سے دیدار خدا ہوتا ہے
قرآن کے پڑھنے سے کدورت ہو دور
آئینۂ دل کو صیقلہ ہوتا ہے

مولانا شاہ غلام جیلانی بادشاہ قادری مشائخ گلشن آباد و سید تسلیم حیدرآبادی[2]

جب تو کی سنا کر یہ کہانی کب تک
پردہ میں دوئی کے زندگانی کب تک
برقعہ سے عبودیت کے باہر نکلو
تسلیم خدا سے بدگمانی کب تک

مولانا سید شاہ محمد افتخار علی مدنی و چشتی قادری حسینی مشائخ بلدہ وطن حیدرآبادی[3]

ہو گئے حیران ڈھونڈتے ہیں لوگ جس کو چار سو
ہیچ ان آنکھوں کے روبرو اور ہے میرے روبرو
ہمکلامی اس کی میری اس طرح ہو آوطن
جس طرح طوطی کرے [illegible] گفتگو

عالیجناب حضرت حاجی واعظ حکیم مولانا مولوی شاہ اعظم علی صاحب قبلہ درویش [illegible] صوفی[4]

اے طالب حق خلق کا ہی دیکھتا ہے
شہ رگ سے نزدیک [illegible] انسان کے ہے جدا ہے
کعبے میں کلیسا میں تو سب ہیں صوفی
حق بین ہے اگر آنکھ تو ہر شئے میں خدا ہے

---

[1] رباعیات امجد [2] کشف القلوب [3] حیات نظم [4] سفر وطن [5] دیوان صوفی اعظم۔

معمات

حضرت مولانا مولوی حاجی حافظ قاری شاہ شجاع الدین حسین قبلہ قادری قدس سرہٗ ۔ فقیر

چیست[1] آن لعبت کہ شد ز اعضاش دم ۔۔۔ پر ستارہ زچو گردون ماہ ز وے دو کم

وقت خوردن بودش نشتر اندر اندام ۔۔۔ وقت خواندن بودش مرتبہ بالائے فم

(۲) وہ[2] پانچ چیز کونسی ہیں جنکا چھٹا نہیں ہے

(۳) وہ چیز کونسی ہے جو سانس لیتی ہے مگر اُس کو نہ روح ہو نہ گوشت ہو نہ خون

(۴) وہ کون جانور ہے کہ اُس سے کوئی پیدا نہیں ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اگر زندہ رہتا تو اس سے کوئی پیدا ہوتا ۔

(۵) وہ کونسی مال ہے جو خشکی نہیں ۔ ۔۔۔ افشا اللہ انکا حل آیندہ دوکا

رباعیات

عالیجناب مولانا ابو الاعظم احمد حسین صاحب امجد حیدرآبادی

صنعت[3] تری ہر خار دکھا دیتا ہے ۔۔۔ ہر غنچۂ گل تیری صدا دیتا ہے

ہر حال اصول معرفت ہے یارب ۔۔۔ پتہ پتہ ترا پتا دیتا ہے

[1] معماۃ شجاعیہ [2] کنز المدفون [3] رباعیات امجد ص ۱۰۰ ؟

سنا ہے کہ اک نحوی باکمال
فقید النظیر و عدیم المثال

فصیح و بلیغ ان کی تھی بول چال
غلط لفظ نکلے کوئی کیا مجال

غلط کوئی کرتا اگر قیل و قال
تو ہوتا انہیں اس کا سننا وبال

سفر ان کو کرنا پڑا ایک سال
چڑھے ناؤ پر لے کے مال و منال

کیا ناخدا نے کچھ ان سے سوال
مگر روزمرہ نہ تھا اس پہ دال

یہ سُنکر ہوا ان کو بے حد ملال
ہوا مارے غصہ کے منہ لال لال

کہا مولوی جی نے اے بدخصال
نہیں ہے تجھے نحو کا کچھ خیال

بہت حیف ہے اے ناشُفت آل
ہوئی عمر آدھی تری پائمال

ہوا گرچہ ملاح کا غیر حال
مگر ہو رہا چپ بخوف جدال

ادھر سے تھی سختی ادھر سے تھی ٹال
کہ بگڑی ہوا اور کشتی کی چال

تلاطم سے کشتی پہ آیا زوال
ہوئی اب زبان مولوی جی کی لال

کہا ناخدا نے کہ اے نیک فال
ہے حضرت کو کچھ تیرنے میں کمال؟

بچی ہے نہ کشتی نہ کشتی کا مال
کہ طوفان سے ہے جان بچنا محال

کہا مولوی نے بصد انفعال
"نہیں آشنا ہوں مجھے تو سنبھال"

کہا پھر تو ملاح نے کیوں جناب؟
"ہوئی عمر اقدس تو ساری خراب"

احقر ابو الخیر صوفی الصفی حیدرآبادی معتمد سالنامہ

کچھ لوگ ہیں خواہشِ زر و مال میں خوش	کچھ تو ہیں تماشائے خط و خال میں خوش
اسبابِ خرابی کے یہ رکھتے ہیں صفی	خوش حال وہ ہیں جو کہ ہیں ہر حال میں خوش

غزل حضرت مولانا مولوی حاجی حافظ محمد انوار اللہ خاں نواب فضیلت جنگ بہادر معین المہام امور مذہبی و صدر الصدور صوبہ جات حیدرآباد دکن قدس سرہٗ انور حیدرآبادی

اے آنکہ تجلی تو تحقیر جدائی	با حسن کہ داری نکشی رو نمائی
حلم تو چہ حلمے کہ بآن فوج ملائک	مجبوری واز بہر خبر الب نہ کشائی
گر دیدہ ہمہ سر نہفتہ ز تو مکشوف	آئینہ روشن گر اسرار خدائی
آدم گشت رانده وهم فلک هم	ہر چند کہ در خیمہ گہ ارض و سمائی
زاں وجہ کہ دوری ثقلان یافت تقلبت	ویں طرفہ کہ با اینہمہ نزدیک بجائی
بودی کہ بجا ہست نشاں میدہد از تو	از ما نشدی دور کہ گوئیم کجائی
باز آئے و نگاہے بکن از لطف بر انور	رفتی نہ چناں دور کزاں باز نیائی

لُغَتِ انفعال

مولانا ابو رضا سید رضی الدین حسن علیہ الرحمہ کیفی حیدرآبادی

ہے ناعاقبت بینیوں کا مآل	ندامت، خجالت، حجاب، انفعال

لہ لطیفۂ الحسن لہ انوار احمدی لہ تاج

تذکرہ

نظم دلکش

عالیجناب مولانا قبلہ و محی الدین صاحب سلیم جیت آبادی (اعجاز رقم)

پھر بہار آئی ہوئے سبزے ہرے — اے گلچیں پھول سے دامن بھرے

بے وفا کو با وفا کر جانچ لو — لو پرکھ لو دیکھ لو کھوٹے کھرے

ہے ہمیشہ جسکو جینے کی ہوس — چاہئے وہ موت سے پہلے مرے

وقت کھو کر پھر نہ یہ کہنا کہیں — بھول ہم سے ہو گئی کیسی ارے

جان دینے کا صلہ جب کچھ نہیں — جھوٹے وعدے کس لئے کوئی کرے

اپنی خود کامی سے مطلب ہو جسے — کوئی دل اس پر فدا کیونکر کرے

ان کی تیغ ظلم؟ شوق امتحاں؟ — اور ہم سا نیم جاں؟ اللہ رے

دونوں جانب سے ہو اظہار وفا — یہ فدا ان پر تو وہ ان پر مرے

تھے یہی قید وفا میں آج تک — توپ کے آگے ہیں اب جنکے پرے

ہو دہائی پھر ہمارے نام کی — ہم ہی ہم ہوں پھر خدا ایسا کرے

وادی ایمن نہیں یہ ہند ہے — جلوے سے پرہیز کوئی کیوں کرے

اے سلیم اپنا پرایا کوئی ہو — ہم فدا اس پہ وطن پر جو مرے

ہے نیا پہلو سلیم اس نظم کا — قدر اس کی جسکا جی چاہے کرے